ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

بانی ادارہ: شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نیکی کیا ہے؟

نیکی اور بھلائی یہ نہیں ہے کہ تم عبادت کے وقت اپنے منہ پورب کی طرف پھیر لو یا پچھم کی طرف (یا اسی طرح کی کوئی اور رسم و ریت پوری کر لو)

نیکی یہ ہے کہ انسان (اپنی شخصیت کی تعمیر اور اپنی اصلاح کو نصب العین بنا کر) اللہ پر۔ آخرت کے دن پر، فرشتوں پر۔ آسمانی کتابوں اور خدا کے نبیوں پر اور رسولوں پر ایمان لائے۔ جب خود اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے اس کا مال اس کو محبوب ہو (تو ایثار سے کام لے اور اس مال کو) رشتہ داروں یتیموں۔ مسکینوں۔ مسافروں اور سائلوں کو دے۔ غلاموں یا مقروضوں کی گردن چھڑانے میں خرچ کرے۔ نماز پوری پابندی کے ساتھ قائم رکھے۔ زکوٰۃ ادا کرے۔ اپنی بات کا سچا اور قول کا پابند رہے جو قول و اقرار کرے اس کو پوری طرح نبھائے۔ تنگی یا مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف وہراس کا وقت ہر حال میں صبر اور (ضبط و تحمل) سے کام لے۔ (سورۃ بقرہ)

سلسلہ مطبوعات نمبر: ۶۲

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین

عبادات میں کامل توجہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَكُوْنَ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمِ وَالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ حَتّٰى ذَكَرَ سِهَامَ الْخَيْرِ كُلَّهَا وَمَا يُجْزٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَّا بِقَدْرِ عَقْلِهٖ ـ

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی نماز، روزہ، حج، عمرہ اور سارے نیک کام کرتا ہے مگر قیامت کے دن ان کا بدلہ انسان کو اسی قدر ملے گا جس قدر اس نے انہیں سوچ سمجھ کر اور عقل سے کام لے کر عمل کیا ہوگا۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ محض لوگوں کو کچھ نیک کرتے دیکھ کر آپ بھی کوئی نیک کام کر لینا اور بے خیالی میں دیکھا دیکھی نماز روزہ اور خیرات وغیرہ جیسے نیک کام کرتے رہنا کچھ زیادہ کام کی چیز نہیں رہی۔ عبادت اور نیک کام انسان کے کام آئے گا جو اس نے دل کی توجہ سے کیا ہوگا، جسے حضورِ قلب کہتے ہیں۔ رسمی طور پر کوئی کام بے خیالی میں کر لینا کچھ زیادہ مفید نہیں۔ دنیا ہی کے کاموں میں دیکھیے جو کام دل لگا کر توجہ سے کیا جائے وہ کچھ اور ہی ہوتا ہے اور ڈرانے دھمکانے یا کسی اور دباؤ کی وجہ سے کوئی کام کیا جائے اس کا کچھ اچھا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ تو ان کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

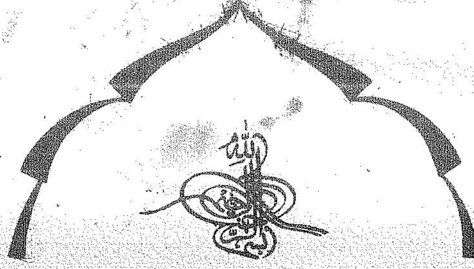
اس حدیث میں ہے کہ جو کام سوچ سمجھ کر اور عقل سے کام لے کر کیا جائے گا۔ آخرت میں وہی کام آئے گا۔ زبردستی یا مار پیٹ یا دکھاوے کی خاطر یا محض عادت کے طور پر نمازیں پڑھ لینا اور خیرات اور صدقے دینا یا رسم و رواج کے طور پر بے دلی سے کوئی نیک کام کر لینا کسی ثواب کا باعث نہیں ہوتا۔ اس طرح فقط لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچنے کا فائدہ تو ہو سکتا ہے یا برادری میں شامل سمجھے جانے کا مقصد پورا ہو سکتا ہے لیکن اس کا ایسے کاموں میں شمار نہیں ہو سکتا جس سے آخرت میں اچھا نتیجہ نکلنے کی امید رکھی جائے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اچھے کاموں کو آخرت میں وزن کیے جانے کا کیا مطلب ہے۔ اور یہ کہ صرف صورت کے لحاظ سے اچھا ہونا کافی نہیں بلکہ اچھے کام کی توجہ کے ساتھ دل لگا کر کرنا اور اس نیت سے کرنا کہ اللہ کا حکم بجا لا رہا ہوں اس کی مقبولیت کا موجب ہوگا۔ ایسے عمل کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔ اور یہ اعمال آخرت میں کام دیں گے اور اجر و ثواب کا موجب ہوں گے۔

فسادی لیڈر

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ وَاللهِ مَا اَدْرِيْ اَنَسِيَ اَصْحَابِيْ اَمْ تَنَاسَوْا وَاللهِ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدِ فِتْنَةٍ اِلٰى اَنْ تَنْقَضِيَ الدُّنْيَا يَبْلُغُ مَنْ مَّعَهٗ ثَلٰثَمِائَةٍ فَصَاعِدًا اِلَّا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاسْمِهٖ وَاسْمِ اَبِيْهِ وَاسْمِ قَبِيْلَتِهٖ ـ

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ قسم اللہ کی مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھی بھول گئے یا غفلت میں گھر گئے۔ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے ختم ہونے تک جتنے بس کی گانٹھ، فسادی رہنما، ایسے جن کے پیرو تین سو یا زیادہ ہوں گے سب کے نام ان کے باپوں کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام ایک ایک کر کے گنوا دیئے۔

(مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الفتن۔ الفصل ثانی)



ہفت روزہ **خدام الدین** لاہور

رئیس الادارہ: جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور ○ رئیس التحریر: حضرت مولانا مفتی محمود ○ مدیر: محمد سعید الرحمٰن علوی

فی پرچہ : ایک روپیہ

عید اور مسلمانوں کا اجتماعی کردار

عالم اسلام کے مایہ ناز صاحبِ نسبت بزرگ حضرت الشیخ السید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے :-

"عید یہ نہیں ہے کہ عمدہ کپڑے پہنے جائیں۔ عمدہ کھانے کھائے جائیں۔ پسندیدہ چیزیں استعمال کی جائیں اور لذات و شہوات سے لطف اندوز ہوا جائے۔

بلکہ عید یہ ہے کہ طاعات میں قبولیت کی علامت ظاہر ہو، گناہوں کے لیے کفارہ ہو، برائیاں نیکیوں سے بدل دی جائیں۔ بلندیٔ درجات کی بشارت ہو، نورِ ایمانی سے شرحِ صدر ہو، اور قوتِ یقین سے سکونِ قلب حاصل ہو۔"

عید کا مبارک دن —— امتِ مسلمہ کا ملی تہوار ہے ایسا تہوار جو ایک مفکر کے بقول :-

"دنیا کے تہواروں اور میلوں سے مختلف ہے۔ ہماری عید میں مادی راحتوں اور جسمانی لذتوں سے ہٹ کر اس حقیقت کا اعلان ہے کہ دنیا کی طاقتوں سے بڑی ایک دوسری طاقت اور اس زندگی سے زیادہ حقیقی ایک دوسری زندگی ہے جس میں ذرہ ذرہ کا حساب دینا اور ہر حس و حرکت کا جواب دینا ہے۔

کائنات کے عظیم ترین انسان، سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی حضور قائد اعظم محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مستعار کے حسین ترین لمحات میں عمل و کردار کے جو نمونے پیش فرمائے۔ ان کا انداز ساری دنیا سے نرالا ہے۔ خالقِ کائنات نے "احسن تقویم" کے سانچے میں ڈھال کر آمنہؓ کے لاڈلے کو "خلق عظیم" کا تاج پہنا کر کائنات کی رہنمائی کے لیے بھیجا۔ اس رہنمائے اعظم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے رہنمائی کے باب میں حق ادا کیا اور زندگی کے ہر موڑ پر ایسا سبق پڑھایا۔ کہ اگر اسے ذہن میں رکھ کر اسی کے مطابق عمل کیا جائے تو زندگی جو آج کانٹوں کا ہار بن چکی ہے پھولوں کی مالا میں بدل سکتی ہے۔ عید ہی کے مسئلہ کو لیجیے۔

تقویٰ و طہارت اور بندگی و عبادت کا موسم اختتام پذیر ہونے پر یہ پرمسرت گھڑیاں آتی ہیں اور مہینہ بھر خواہشات پر قابو پانے کا جو سلسلہ جاری رہا، اس پر نوازنے اور بھرپور طریق سے نوازنے کا دن ـــ عید کہلاتا ہے۔

اسلام واضح کرتا ہے کہ صبح اٹھتے ہی اپنی بساط کے مطابق بھرپور طیاری شروع کردو۔ اجلا لباس پہن کر نہا دھو کر گردنیں جھکائے بصد ادب و احترام عیدگاہ کی طرف چل پڑو۔ تمہاری زبانوں پر حضرت حق کی کبریائی کے زمزمے ہوں۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔

پھر وہاں پہنچ کر رب کعبہ کے حضور سجدہ ریز ہوکر اسی طرح گردنیں جھکائے واپس آجاؤ۔ تمہارے دل میں یہ احساس ہونا چاہیئے کہ ہم اپنے پیدا کرنے والے سے بھیک مانگنے آئے ہیں اور اپنی امیدوں اور آرزوؤں کی تکمیل کی غرض سے حاضر دربار ہوئے ہیں۔

نبی کریم حضور نبی رحمت ؐ نے فرمایا:۔

"پاکبازوں اور پاک طینت لوگوں کی وہاں سے اس طرح واپسی ہوتی ہے کہ ان کے دامن پر کوئی گناہ نہیں ہوتا اور وہ پاک صاف واپس آتے ہیں"۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت اپنی عزت کبریائی کی قسم کھا کر فرشتوں کی مجلس میں اس کی مغفرت کا اعلان فرماتے ہیں۔

اور سنیں۔ اسلام نے ہدایت فرمائی کہ جن لوگوں کو اللہ نے مال و دولت کی وسعت سے نوازا ہے وہ حضرت حق کی نعمت کی قدر افزائی کرتے ہوئے معاشرہ کے ان مظلوم و ستم رسیدہ لوگوں کی امداد و تعاون کریں۔ تاکہ ان پرمسرت لمحات میں وہ بھی عید کی خوشیوں میں شریک ہوسکیں اور انہیں کسی قسم کا احساس نامرادی دامن گیر نہ ہو ـــ اس کی صورت صدقۃ الفطر قرار پائی۔

کائنات کے محسن اعظم اور رحمۃ للعالمین ؐ نے خود اس مسئلہ میں جو نمونہ چھوڑا اس کی مثال چراغ رخ زیبا لے کر بھی نہیں مل سکتی۔

واقعہ یہ ہے کہ آپ نے مدینہ منورہ کی گلیوں میں میں پھرنے والے پریشان حال یتیم بچہ کی خاطر تھوڑی دیر کے لیے عیدگاہ میں جانا ملتوی کر دیا۔ اور اس معصوم بچہ کو اٹھا کر اپنے گھر لائے۔ اپنی عظیم المرتبت اہلیہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا و رضوانہ کو ارشاد فرما کر اسے نہلایا اور دھلایا کپڑے بدلوائے اور پھر اسے اپنے ہمراہ عیدگاہ لے گئے اور دوگانہ ادا فرمایا۔

یہ سیدھی سادی اور سچی تصویر ہے اس دن کو منانے کی لیکن آج امتِ مسلمہ کا مجموعی کردار کیا ہے؟ اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

قطع نظر دوسرے مسلم ممالک کے وطن عزیز پاکستان جو مسلمان قوم کی طویل اور صبر آزما جدوجہد کے نتیجہ میں معرض وجود میں آیا اور یاد ہوگا کہ اس نو آزاد ملک پر پہلا ہلال عید جو طلوع ہوا تو مسلمان قوم خاک و خون میں تڑپ رہی تھی لیکن یہاں کی نااہل، بددیانت، اور خلوص و صداقت سے عاری قیادت نے مجموعی طور پر اخلاق و کردار کا دیوالیہ نکال دیا۔ اخلاق و شرافت سر پیٹ کر رہ گئے۔ نیکی کو ملک بدر کرنے کے لیے ہر مکروہ طریقہ اختیار کیا گیا اور برائی کو عروج تک پہنچانے کی کوشش کی گئی۔

عید کا دن مجموعی اعتبار سے بدتہذیبی اور شیطانی مظاہر کا شکار ہو جاتا ہے۔ دنیا کی مادر پدر آزاد تہذیبوں کے نام لیواؤں کی طرح اس مقدس دن کو روایتی میلہ ٹھیلہ کا دن بنا دیا گیا۔ نماز نہ روزہ، نیکی نہ عبادت۔ غربا اسی طرح پھٹے حالوں معاشرہ کی بے راہروی اور سنگدلی کا رونا روتا ہے۔ ایک مخصوص طبقہ بلند و بالا محلات میں داد عیش دیتا ہے۔

خدارا بتلائیں کہ ہم کیسے مسلمان ہیں؟

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔

"روزہ سے مقصود اللہ کے اخلاق میں بالخصوص صمدیت یعنی بے نیازی کی صفت سے متصف ہونا اور بقدر امکان خواہشات پر قابو پا کر فرشتوں سے مشابہت پیدا کرنا۔ کیونکہ

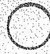
(بقیہ ۲۸ پر)

افادات محمود

مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمود زید مجدہم کے ارشادات



ضبط و ترتیب: مولوی محمد یوسف خان



مسئلہ جمع قرآن

قرآن کریم کا نزول متفرق طور پر ہوا ہے۔ یہ جمع کیونکر ہوا؟ کس نے جمع کیا؟ اس سلسلے میں بخاری کی روایت پیش کرنا چاہتا ہوں۔

عن زید بن ثابت (کاتبِ وحی۔ انصاری) قال ارسل الیّ ابوبکر مقتل اهل الیمامه فاذا عمر عنده فقال ابوبکر ان عمر أتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامه بقراء القرآن "الخ"

یعنی جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں یہ فوج ترتیب دی تھی (اور آپؐ اسی درمیان وفات پا گئے تھے) اور اس فوج میں عمر فاروق رضؓ اور صدیق اکبر رضؓ کا نام بھی تھا لیکن لوگوں نے کہا کہ آپؐ ان کو نہ بھیجیں کیونکہ مرکز کی حفاظت ضروری ہے۔ لیکن صدیق اکبر رضؓ نہ مانے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر و صدیق تم رہ جاؤ۔

بہرحال جب یہ جنگ ہوئی تو اس میں حفاظ و قراء تقریباً سات سو شہید ہوئے اور ابھی تک قرآن مجید کسی کتابی صورت میں بھی نہ تھا۔ صرف زبانی یاد تھا تو عمر فاروق رضؓ کو اس واقعہ سے فکر ہوئی تو فرمایا اس کا کوئی انتظام کرنا چاہیے تو حضرت عمر رضؓ نے فرمایا!

وانی اخشیٰ ان یستحر القتل بالقراٰن فی کل المواطن فیذهب کثیر من القراٰن فقال عمرو انی اریٰ ان تأمر بجمع القراٰن۔

ترجمہ: اور میں ڈرتا ہوں کہ قتل سخت ہو جائے قرآن کے ساتھ (یعنی اس طرح حفاظ شہید ہوتے جائیں گے) ہر جگہ تو کہیں قرآن کا اکثر حصہ ہم سے نہ چلا جائے۔ پس فرمایا حضرت عمر رضؓ نے میں چاہتا ہوں کہ تم قرآن مجید کو جمع کرو۔"

تو یہ پیغام حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے زید بن ثابت کو سنایا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرمایا۔

فقلت لعمر کیف تفعل شیئا لم یفعله رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال عمر هذا واللّٰه خیرا فلم یزل عمر یرا جعنی حتیٰ شرح اللّٰه صدری لذالك ورائیت فی ذالك الذی رأی عمر۔

ترجمہ: میں نے عمر رضؓ کو کہا تھا کیسے؟ تم وہ کام کرتے ہو کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو (کیونکہ وہ بدعت سے ڈرتے تھے) تو حضرت عمر رضؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم یہی بہتر ہے۔ پس ہمیشہ مجھ سے رجوع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے میرے سینہ کو کھول دیا اس چیز کے لیے

جن کے لیے عمرؓ کا سینہ کھولا تھا۔ اور میں اس بارے میں وہی چاہتا ہوں جو کہ عمرؓ چاہتا ہے۔"

قال زید بن ثابت فقال لی ابوبکر انک رجل شاب عاقل لا نتھمک وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتتبع القرآن فاجمعه قال الزید فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علیّ مما امرنی من جمع القرآن قلت کیف تفعلون شیئاً لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابوبکر ھو واللہ خیر فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتی شرح اللہ صدر ابوبکر وعمر فرائیت فی ذالک الذی رأیا۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا۔ پس مجھے فرمایا ابوبکر صدیقؓ نے کہ بے شک تم جوان عاقل مرد ہو تم پر تہمت بھی نہیں لگے گی۔ اور تحقیق تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی بھی لکھا کرتے تھے۔ پس تم قرآن مجید کو تلاش کرو اور جمع کر دو (یعنی مختلف پتوں، پتھروں، ہڈیوں پر جو لکھا ہوا تھا)
تو حضرت زیدؓ نے فرمایا۔ پس خدا کی قسم! اگر مجھے تکلیف دی جاتی کسی پہاڑ کو اٹھانے کی تو وہ مجھ پر اتنا بھاری نہ ہوتا جتنا جمع قرآن مجھ پر بھاری ہے لہذا میں نے (حضرت زیدؓ نے) کہا ان کو نوں (ابوبکرؓ و عمرؓ) کیسے کرتے ہو وہ چیز جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی۔ تو ابوبکرؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم یہی بہتر ہے (یہی الفاظ پہلے ابوبکرؓ کو عمرؓ نے کہے تھے) پس ابوبکرؓ ہمیشہ مجھ سے رجوع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ کھول دیا۔ اس چیز کے لیے جس کے لیے ابوبکرؓ و عمرؓ کا کھولا تھا۔ پس میں اس بارے میں وہی چاہتا ہوں جو ابوبکرؓ و عمرؓ چاہتے ہیں۔

قال الزید فتتبعت القرآن اجمعه من الرقاع والعسب واللخاف وصدور الرجال حتی وجدت آخر (آیة من) سورة التوبه مع ابی خزیمة الانصاری۔ لم اجدھا مع احد غیرہ۔ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم۔ فان تولوا فقل حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیه توکلت وھو رب العرش العظیم ——
فالحقتھا فی سورۃ وکتاب واحد فکانت الصحف عند ابی بکر فی حیاته حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر فی حیاته حتی توفاہ الموت ثم عند حفصة بنت امّ المومنین۔ (انتہی)

ترجمہ: حضرت زیدؓ فرماتے ہیں پس میں نے قرآن کو (لکھے ہوئے کو) تلاش کرنا شروع کیا۔ میں اس کو جمع کرتا تھا کپڑوں کے ٹکڑوں سے۔ اور کھجور کی چھڑیوں سے اور ٹھیکریوں سے، اور لوگوں کے سینوں سے۔ یہاں تک کہ میں نے آخری آیت سورہ توبہ کی خزیمہ انصاری سے پائی۔ جبکہ اس آیت کو (لکھا ہوا) میں نے کسی اور کے پاس نہیں پایا وہ یہ آیت تھی۔ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز۔۔۔ تا۔۔۔۔ وھو رب العرش العظیم۔ پس میں نے اس کو اس سورت میں ملا دیا۔ اور ایک کتاب میں۔ پس یہ صحیفہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہا۔ ان کی زندگی میں، یہاں تک کہ انتقال فرما گئے۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہا۔ یہاں تک کہ وہ بھی انتقال فرما گئے۔ پھر یہ صحیفہ حفصہؓ بنت امیر المومنینؓ کے پاس رہا۔" (انتہی)

یاد رہے کہ حضرت خزیمة الانصاریؓ وہ صحابی ہیں کہ جن کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

من شھد لہ خزیمہ فھو حسبی۔

یعنی ہر مقدمہ کے لیے دو گواہ ہوتے ہیں۔ لیکن خزیمہ اکیلے ہی کافی ہیں۔ کہ اتنے معتمد سچے صحابی ہیں نیز آیت تو حضرت زیدؓ کو خود زبانی یاد تھی، صرف لکھے ہوئے کی تلاش تھی جو کہ خزیمہؓ سے ملی۔

اب اس مکتوبہ صحیفہ کے بارے میں بخاری کی یہ تفصیلی حدیث دیکھیے:

عن انس ان حذیفۃ بن الیمان قدم علی عثمان وکان یغازی اہل الشام فی فتح الآرمینیہ والآذر بیجان مع اہل العراق فقال حذیفۃ لعثمان یا امیرالمومنین ادرک ھذہ الامۃ قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیہود والنصاریٰ (الخ)

ترجمہ: حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضؓ حضرت عثمان رضؓ کے پاس گئے اس حال میں کہ وہ فتح آرمینیہ اور آذربیجان میں مشغول تھے تو حضرت حذیفہ رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ سے عرض کیا کہ یا امیرالمومنین! اس امّت کو سنبھالئے قبل اس کے کہ وہ اپنی کتاب میں اختلاف کریں جیسے یہود و نصاریٰ نے کیا۔"

چنانچہ حضرت عثمان رضؓ نے حضرت حفصہ رضؓ کے پاس ایک آدمی بھیجا اور وہ نسخہ منگا لیا اور فرمایا حضرت حفصہ رضؓ سے

ان ارسلی الینا بالصحف ننسخھا فی المصاحف ثم نردھا الیک فارسلت بھا الیہ فامر زید بن ثابت وعبداللہ بن الزبیر وسعید بن العاص و عبدالرحمٰن بن الحارث بن الھشام (الخ)

ترجمہ: ہماری طرف وہ صحیفہ بھیج دیجئے۔ ہم اس کو اور صحیفوں میں نقل کریں گے۔ پھر آپ کا صحیفہ آپ کی طرف لوٹا دیں گے تو حضرت حفصہ رضؓ نے وہ صحیفہ بھیج دیا۔ پس حضرت عثمان رضؓ نے چار آدمیوں کو حکم دیا۔ (۱) زید بن ثابت رضؓ، ۲۔ عبداللہ بن زبیر رضؓ (۳) سعید بن العاص (۴) عبدالرحمٰن بن الحارث رضؓ۔ تو انہوں نے چھ مصاحف الگ الگ لکھے۔ لیکن جب حضرت عثمان رضؓ کو محسوس ہوا کہ ان میں سے تین قریشی ہیں اور ایک نہیں تو لغت میں اختلاف کریں گے تو ان کو فرمایا۔

اذا اختلفتم انتم وزید بن ثابت فی شیئ من القرآن فاکتبوہ بلسان قریش فانہٗ فانما نزل بلسانھم۔ (وافرو القریش) "الخ"

ترجمہ: جب اختلاف ہو جائے تم میں اور زید بن ثابت میں تو پھر تم لکھو قریشی زبان میں۔ کیونکہ قریش کی لغت میں نازل ہوا ہے۔ (اس طرح یہ مصحف لکھا گیا)

خلاصہ مسئلہ جمع قرآن

اب ان روایات پر نظر ڈالیں تو اجمالی طور پر جمع قرآن کا خاکہ ذہن میں آتا ہے۔ کہ جمع سے مراد مطلق جمع ہے (بصورت کتابت اور بصورت تلفظ)۔ تو جمع کے کل چار مراحل مراحل ہیں (۱) جمع القرآن بمعنی حفظہ فی الصدور۔ (۲) جمع القرآن بمعنی کتابتہ فی عہد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم (۳) جمع القرآن علی عہد ابی بکر رضؓ۔ ۴۔ جمع القرآن فی عہد عثمان رضؓ۔

اور اگر جمع سے مراد صرف بصورت کتابت ہے، تو آخری تین مراحل مراد ہیں۔

جمع القرآن بمعنی حفظہ فی الصدور فی عہد النبیؐ

یہ جمع قرآن یعنی قرآن مجید کو حفظ کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی آتی تھی تو وہ آپ لوگوں کو سنا دیتے تھے اور پھر لوگ بھی اس کو یاد کرنے میں کوشاں رہتے۔ جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضؓ راتوں کی نیندوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اور یاد کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے تھے۔ تو یہ جمع قرآن بصورت حفظ تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ایک جم غفیر حفّاظ کا تھا۔ جن میں ابوبکر صدیق رضؓ عمر رضؓ، عثمان رضؓ، علی رضؓ، طلحہ رضؓ، سعد رضؓ، ابن مسعود رضؓ، حذیفہ رضؓ، ابوہریرہ رضؓ، ابن عمر رضؓ، ابن عباس رضؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ، معاویہ رضؓ، ابن زبیر رضؓ، عائشہ رضؓ، حفصہ رضؓ، ام سلمہ رضؓ وغیرہ مہاجرین میں سے تھے اور انصار میں سے اُبّی بن کعب رضؓ، معاذ بن جبل رضؓ، زید بن ثابت رضؓ، ابوالدرداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ تھے۔

نیز یاد رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ بھی بتلا رہے تھے کہ کس ترتیب سے یاد کریں۔ اور کون سی آیت کس جگہ اور کس سورت میں یاد کریں۔ کیونکہ یہ تمام باتیں جبرئیلؑ آپؐ کو بتلا رہے تھے اور یہ جبرئیلؑ آپؐ کو وہ ترتیب بتاتے تھے جو لوح محفوظ میں تھی۔ تو گویا حفّاظ قرآن بھی لوح محفوظ کی ترتیب سے ہی

یاد کرتے تھے جو کہ ترتیب حقیقی تھی۔ (اور آج بھی موجودہ قرآن مجید اسی ترتیب میں ہے)

جمع قرآن بمعنی کتابتہ فی عہدہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ جمع قرآن بصورت کتابت تھی۔ چونکہ قرآن سات لغات میں نازل ہوتا تھا۔ اس لیے تمام صحابہ اس تلاش میں رہتے تھے کہ ہم صحیح طور پر لکھ لیں کہ ذہنوں میں تو محفوظ ہے کتابت میں بھی محفوظ کر لیں۔ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ایک کاتبوں کو مقرر فرما دیا۔ جن میں ابوبکر، عمر، عثمان، علی، معاویہ، ابان بن سعید، خالد بن الولید، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ثابت بن قیس، ارقم بن ابی الارقم، حنظلۃ بن ربیع، ابو رافع القبطی شامل تھے۔

اور ان کو آپ لکھنے کا اور سورتوں کی ترتیب کا طریقہ بطریق حفظ بتلا دیا کرتے تھے۔

تو معلوم ہوا کہ تمام قرآن مجید حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں بصورت کتابت جمع ہو چکا تھا۔ لیکن یہ جمع بصورت کتاب و صحیفہ اور پھر اس میں سورتوں کی ترتیب سے لکھا یہ ابھی نہ ہوا تھا۔

بلکہ صحابہؓ کو جو ٹھیکری، کپڑا وغیرہ ملتا اس پر لکھ لیتے تھے۔

جمع القرآن علی عہد ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جیسا کہ تفصیلی گزشتہ حدیث میں گذارا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یمامہ کا واقعہ ہوا۔ اور حفاظ شہید ہوئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو فرمایا کہ جمع قرآن کا انتظام کیجئے۔ پھر انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو فرمایا کہ تم جمع کرو۔ اور انہوں نے ٹھیکریوں کپڑوں کے ٹکڑوں وغیرہ سے نقل کیا۔ اور حضرت زید بن ثابت اس آیت کو اس وقت تک نقل نہ فرماتے جب تک کہ دو عادل شخص گواہی نہ دے دیں کہ یہ آیت واقعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں لکھی گئی ہے۔

اور یہ ایک صحیفہ جو حضرت زید بن ثابتؓ نے لکھا تھا۔ یہ ان سات لغات پر مشتمل تھا جن کا ذکر ایک حدیث میں ہے۔ انما انزل القرآن علی سبعۃ احرف۔

اور جیسا کہ معلوم ہوا کہ یہ صحیفہ پہلے ابوبکر صدیقؓ کے پاس تا حیات رہا۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس تا حیات رہا۔ پھر یہ صحیفہ حضرت حفصہ کے پاس رہا۔

اور یہ جمع جو حضرت زید بن ثابت نے فرمائی تھی یہ "جمع عمری عہد ابوبکر" کہلاتی ہے۔

جمع القرآن فی عہد عثمان رضی اللہ عنہ

جیسا کہ دوسری حدیث بخاری میں تفصیلاً اس جمع کا ذکر کیا۔ کہ حضرت عثمانؓ نے وہ صحیفہ حضرت حفصہؓ سے منگوایا۔ کیونکہ صحابہؓ کو خدشہ تھا چونکہ یہ سات قرائتوں پر مشتمل ہے تو کہیں بعد میں آنے والے لوگ اس میں اختلاف نہ کریں۔

لہٰذا حضرت عثمانؓ اور تمام صحابہؓ نے چار اشخاص کو اس جمع پر متعین فرمایا۔ یعنی حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن الزبیر، سعید بن العاص، عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام کو۔

ان حضرات نے قرآن مجید کو لغت قریش میں تحریر کیا۔ کیونکہ قرآن مجید لغت قریش ہی میں نازل ہوا تھا۔

اور اس قرآن مجید کی ترتیب "لوح محفوظ" کی ترتیب کے مطابق تھی۔ جو کہ جبرئیلؑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا کرتے تھے۔ پھر آپ صحابہؓ کو بتلا دیتے تھے۔ (موجودہ قرآن مجید اسی ترتیب پر ہے)

یاد رہے کہ یہ قرآن مجید بغیر اعراب اور بغیر نقاط کے تھا۔

تو ان چار حضرات نے چھ مصاحف لکھے اور جب ان چھ مصاحف پر تمام صحابہ کرامؓ نے اتفاق رائے کر لیا تو حضرت عثمانؓ نے ان مصاحف کو مختلف اقالیم کی طرف روانہ کر دیا۔ ان میں سے ایک مصحف مکہ کی طرف اور ایک مصحف شام کی طرف اور ایک مصحف کوفہ کی طرف اور ایک مصحف بصرہ کی طرف اور ایک مصحف مدینہ میں رکھا اور ایک مصحف اپنے پاس رکھا۔

اور پھر ہر صحیفہ کے ساتھ ایک عالم قاری کو بھیجا تاکہ وہ ان مصاحف کو پڑھائے۔ جو کہ غیر قریش تھے۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ آپ مدینہ والوں کو

(باقی ۲۲ پر)

اسلام کا ایک اہم رکن

زکوٰۃ

از: سید محمد رضی الحسن، میاں چنوں

اسلام نے جن جن باتوں سے منع فرمایا اور جن کے مضر اثرات سے آگاہی بخشی تھی۔ آج ان کی صداقت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ آرڈی نینس و قوانین نافذ ہوتے رہتے ہیں مگر ان دو لعنتوں کا کوئی حل نہیں نکل سکا۔ یعنی ناجائز منافع خوری اور ذخیرہ اندوزی اسی طرح جاری و ساری ہے۔ وہی بلیک مارکیٹ۔ وہی غلے کی قلت و مہنگائی اور تمام ضروریات زندگی کی اشیاء عنقا اور وہی پریشانی و تباہ حالی، مگر اسلام نے ایسے ابدی قوانین تجویز کئے جن میں منافع خوری و ذخیرہ اندوزی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ منافع بازی کے متعلق تو ہر وہ صورت جہاں ذرا سا بھی خطرہ تھا ممنوع و ناجائز قرار پائی ہے۔ رہا ذخیرہ اندوزی کا معاملہ تو اس کو زکوٰۃ مفروضہ اور وراثت کے قانون سے ختم کر دیا۔ ان کی موجودگی میں مسلمان ذخیرہ اندوزی کر ہی نہیں سکتا اور نہ مال ہی کسی ایک کے قبضہ میں رہ سکتا ہے

زکوٰۃ:- لغت میں تراش کے ساتھ کھیتی کرنے پودے کو سیدھا کرنے لگانے سر سبز و شاداب ہونے اور پاک کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اس فریضہ کو کہتے ہیں جو ہر سال آزاد، عقلمند، بالغ مسلمان اور مالک نصاب پر فرض ہوتا ہے۔ فریضہ زکوٰۃ اسلام کے فرائض خمسہ میں سے ایک بڑا فریضہ ہے سنہ ۲ھ میں مالدار اور صاحب استطاعت لوگوں پر فرض ہوئی۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے کہ اگر مالدار مسلمان اس پر شدت سے عمل پیرا ہو جائیں تو یقیناً روئے زمین پر ایک بھی مسلمان فقیر نظر نہ آئے اور مسلمانوں کا یہ غیر معمولی فقر و فاقہ دیکھتے دیکھتے کافور ہو جائے۔ اگر اس پر متمدن اقوام کاربند ہو جائیں تو ایک بہت بڑے اجتماعی مسئلے کا بہت جلد حل ہو جائے۔ اگر غور کریں تو عیاں ہو جائے گا کہ حضور اکرمؐ نبی امی کے قانون نے اشتراکیت جیسے لاینحل مسئلے کو کس طرح سلجھا دیا۔ اور کیسے احسن انداز سے امیر و غریب شاہ و گدا آقا و غلام کو تمدن و معاشرتی زندگی میں ایک صف میں لا کھڑا کر دیا ہے کہ اس پر عمل پیرا ہونے سے وہ امارت و غربت، ریاست و نکبت کے باہمی فرق و امتیازات بالکل ناپید ہوتے جائیں۔ اسلام کا واحد مقصد یہی ہے کہ وہ تمام مخلوق خدا کو ایک صف میں لا کھڑا کر دے اور سوائے دین و تقویٰ کے اور کسی چیز میں ایک دوسرے کو کسی پر فخر و مباہات کرنے کا حق حاصل نہ رہے۔ چنانچہ اسلام نے جہاں اپنی ہمہ گیر تعلیمات سے اور چیزوں میں مساوات و یگانگت قائم کی۔ فریضہ زکوٰۃ کے ذریعے سے معاشرتی اور تمدنی زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا کہ عمل کرنے والوں نے جب تک اس پر عمل کیا یہ ثابت کر دیا کہ دنیا میں اس فریضہ کی بدولت کوئی غریب نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروقؓ کے عہد کا واقعہ ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنی دولت سے زکوٰۃ نکال کر فقیروں کو دینے کے لیے نکلے تھے تو ہر طرف سے یہ صدا آئی تھی کہ ہمارے یہاں تو خود مال و دولت موجود ہے اور خود کسی صاحب حاجت کی تلاش میں ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ مگر افسوس آج مسلمان اس عظیم الشان اور اہم ترین فریضہ سے کس قدر غافل اور بے اعتنا ہیں وہ اسلام اور مسلمانوں کی ذلت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور دن رات ہولناک مصائب اور تباہ کاریوں کا بچشم خود مطالعہ کرتے ہیں مگر ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ یہ فریضہ زکوٰۃ عظمت و مرتبہ کے لحاظ سے نہایت ہی اہم اور فائدہ و ہمہ گیری کے اعتبار سے نہایت پُر عظمت ہے۔

زکوٰۃ کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر زکوٰۃ دینے کے احکام و اوامر و اٰتوا الزکوٰۃ کے پر عظمت الفاظ کے ساتھ فرمائے ہیں اور نہ دینے والوں پر سخت سے سخت وعید فرمائی چنانچہ انتہائی جلال و قہر کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے۔ جو

لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کے راستے میں صرف نہیں کرتے انہیں سنا دو کہ ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اس دن وہ سونا چاندی جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا۔ اور پھر ان کے ماتھے پہلو اور پیٹھ داغی جائیں گی اور کہا جائے

چونکہ یہ اسلام میں سب سے پہلے صدقہ تھا اس لئے آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کا چہرہ فرط مسرت سے دمک اٹھا۔

عورتیں اور زکوٰۃ ۔ عورتوں کو زیورات سب سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں مگر صحابیات کو اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی اس سے بڑھ کر عزیز تھی۔ ایک صحابیہ آپ کے پاس تشریف لائیں ان کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے آپؐ نے سوال کیا تم اس کی زکوٰۃ نکالتی ہو انہوں نے جواب دیا نہیں۔ فرمایا کیا تم اس کو پسند کرو گی کہ اس کی بجائے خدا تم کو قیامت کے دن آگ کے کنگن پہنائے یہ سنتے ہی انہوں نے آپؐ کے سامنے اتار کر پھینک دیا کہ یہ خدا اور اس کے رسول کے ہیں۔ یہ تو خیر زکوٰۃ مفروضہ کا تذکرہ تھا۔ صدقات و خیرات جو کہ نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ مستحب ہے۔ اس میں بھی صحابہ کرامؓ کا طرز عمل یہ تھا کہ بعض بعض مواقع پر انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا کل مال و سرمایہ خیرات میں دے ڈالا اور جب سوال کیا گیا کہ بال بچوں کے لیے گھر میں کیا چھوڑا تو نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا کہ صرف اللہ اور اس کا رسولؐ۔ یہ مختصر سا تذکرہ آج سے چودہ برس پیشتر کے ایک اقبال مند طبقہ کا تھا جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کو مانا اور آمنا و صدقنا کی پر زور صدا بلند کیا اور اپنی انتہائی محنت و جفاکشی سے حاصل کی ہوئی دولت کو اللہ اور رسولؐ کے ادنیٰ اشارے پر بیدریغ خرچ کر ڈالا ان کی یہ سعادت بھری آواز اور خلوص بھرے اعمال اللہ تعالیٰ کو بھی کچھ پسند آئے کہ اپنے لامتناہی اور بے پایاں خزانے سے اتنی دولت عطا فرمائی کہ وہ خود اس سے نہال ہوگئے اور قارون و فرعون کے خزانے اور عظمت بھی کچھ ایسی بخشی کہ خود قرآن مجید میں اپنے اقبال مند بندوں کی بے شمار مقامات پر مدح و ثنا فرمائی۔

اے کاش۔ آج کل کے مسلمان بھی اس کے احکامات سن کر لبیک کہتے اور مالک کی ابدی رضامندی حاصل کرتے۔

ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شہید

کہ دیکھو انہی چیزوں کو تم جمع کرکے رکھا کرتے تھے۔ اب اس کا مزہ چکھو۔ (سورۃ توبہ ۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ پھر انہیں (اہل یمن) کو خبر کردو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے امراء سے لے کر انہیں کے فقراء میں تقسیم کر دی جائے گی۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ دینے کے متعلق حکم دیا۔ نہ دینے والوں کو سخت معذب قرار دیا۔ حدیث شریف (بخاری) میں ہے آنحضرت نے فرمایا کہ تمہارا خزانہ (جس کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہو) قیامت کے روز ایک گنجا سانپ ہوگا۔ خزانے والا بھاگے گا اور وہ اس کا پیچھا کرے گا یہاں تک کہ خزانے والا اس کے منہ میں انگلیاں ڈالے گا۔ زکوٰۃ کی اہمیت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں جب لوگ زکوٰۃ نہ دینے پر مصر ہوئے تو آپ نے ان سے قتال کا حکم دیا۔ اور باوجود حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی شدید مخالفت کے وہ اپنے قول سے قطعاً نہ ہٹے۔ بلکہ یہی کہے گئے کہ خدا کی قسم جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا اس سے ضرور قتال کرونگا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ اول کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا اور یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ خدا کی قسم اللہ نے ابوبکر صدیقؓ کے سینے میں یہ بات ڈال دی تھی اب میں بھی سمجھ گیا کہ وہی حق تھا۔ (بخاری شریف)

صحابہ کرامؓ اور فریضہ زکوٰۃ

آج ہم اللہ کے فضل و کرم سے پہلے کی نسبت بہت مالدار اور صاحب جائداد ہیں مگر ہمارا یہ حال ہے کہ صدقات و خیرات کون دے مال کا اہم ترین فریضہ زکوٰۃ ہی نہیں ادا کیا جاتا۔ مگر ذرا صحابہ کرامؓ کی طرف بھی غور فرمایئے اور چشم بصیرت سے دیکھئے کہ وہ مفلس و نادار و تنگدست تھے مگر ان کا دل غنی اور جوہر سخاوت سے لبریز تھا وہ اپنے مال کی زکوٰۃ کے علاوہ بھی دیگر مختلف طریقوں سے راہ خدا میں صرف کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا یہ دستور تھا کہ جب کھجور کی فصل تیار ہو جاتی تو وہ زکوٰۃ کی کھجوریں آنحضرتؐ کی خدمت میں لاکر آپ کے گرد ڈھیر کر دیتے تھے (بخاری)

جو لوگ اسلام لاتے سب سے پہلے زکوٰۃ مفروضہ ہی ادا کرتے۔ قبیلہ طے اسلام لایا تو ان کے سردار عدی بن حاتم اپنا اور اپنے قبیلے کا صدقہ لے کر حاضر ہوئے چونکہ یہ اسلام میں سب سے پہلے صدقہ تھا





خُدا کی حاکمیت

لوگ دُنیا میں سینکڑوں قوموں کے محکوم ہیں ۔ ماں باپ کے محکوم ہیں ۔ دوست واحباب کے محکوم ہیں ، اُستاد اور مُرشد کے محکوم ہیں ۔ امیروں حاکموں اور بادشاہوں کے محکوم ہیں ۔ اگرچہ وہ دنیا میں بغیر کسی زنجیر اور بیڑی کے آئے تھے ، مگر دُنیا نے اُن کے پاؤں میں بہت سی بیڑیاں ڈال دی ہیں ۔

لیکن مومن و مسلم ہستی وہ ہے جو صرف ایک ہی کی محکوم ہے ۔ اس کے گلے میں محکومی کی ایک بوجھل زنجیر ضرور ہے ۔ پر مختلف سمتوں میں کھینچنے والی بہت سی ہلکی زنجیریں نہیں ہیں ۔ وہ ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا ہے ، کیوں کہ اس کے ایک ہی حاکم نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے ۔ وہ دوستوں سے محبت رکھتا ہے ، کیونکہ اسے رفیقوں اور ساتھیوں کے ساتھ سچے برتاؤ کی تلقین کی گئی ہے ، وہ اپنے سے ہر بزرگ اور ہر بڑے کا ادب ملحوظ رکھتا ہے ، کیوں کہ اس کے ادب آموزِ حقیقی نے اسے ایسا ہی بتایا ہے ۔ وہ بادشاہوں اور حاکموں کا حکم بھی مانتا ہے ، کیوں کہ حاکموں کے ایسے حکموں کے ماننے سے اسے نہیں روکا گیا ہے ، جو اس کے حاکمِ حقیقی کے حکموں کے خلاف نہ ہوں ۔ وہ دُنیا کے ایسے بادشاہوں کی اطاعت بھی کرتا ہے جو اُس کی آسمانی بادشاہت کی اطاعت کرتے ہیں ، کیوں کہ اُسے تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرے ۔ لیکن یہ سب کچھ جو وہ کرتا ہے تو اس لیے نہیں کرتا کہ ان سب کے اندر کوئی حکم ماننا اور ان کو جھکنے کی جگہ سمجھتا ہے ۔ بلکہ صرف اس لیے کہ اطاعت ایک ہی کے لیے ہے اور حکم صرف ایک ہی کا ہے ۔ جب اس ایک ہی حکم دینے والے نے ان سب باتوں کا حکم دے دیا تو ضرور ہے کہ خدا کے لیے اُن سب بندوں کو بھی مانا جائے اور اللہ کی اطاعت کی خاطر وہ اُس کے بندوں کا بھی مطیع ہو جائے ۔

پس فی الحقیقت دُنیا میں ہر انسان کے لیے بے شمار حاکم اور بہت سی جھکانے والی قوتیں ہیں ، لیکن مومن کے لیے صرف ایک ہی ہے ۔ اس کے سوا کوئی نہیں ۔ وہ صرف اسی کے آگے جھکتا ہے اور صرف اسی کو مانتا ہے ۔ اس کی اطاعت کا حق صرف ایک ہی کو ہے ۔ اس کی پیشانی کے جھکنے کی چوکھٹ ایک ہی ہے اور اُس کے دل کی خریداری کے لیے بھی ایک ہی خریدار ہے ۔ وہ اگر دُنیا میں کسی دُوسری ہستی کی اطاعت کرتا بھی ہے تو صرف اسی ایک کے لیے ، اس لیے اُس کی بہت سی اطاعتیں بھی اُسی ایک ہی اطاعت میں شامل ہو جاتی ہیں

مقصودِ ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست!
ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

حضرت یُوسف علیہ السلام نے قید خانے میں اپنے ساتھیوں سے کیا پوچھا تھا ؟

أَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ؟	بہت سے معبود بنا لینا بہتر ہے یا ایک ہی قہار و مقتدر خدا کو پوجنا ؟

یہی وہ خلاصۂ ایمان و اسلام ہے جس کی ہر مومن و مسلم کو قرآنِ کریم نے تعلیم دی ہے ۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ	تمام جہان میں اللہ کے سوا کوئی نہیں جس کی حکومت ہو ۔

اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں اور نہ کسی کو اپنا معبود بنائیں ۔

یہی "دینِ قیم" جس کی پیروی کا حکم دیا گیا :

ذَالِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

حدیث صحیح یہ ہے کہ فرمایا :

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (بخاری و مسلم)	جس بات کے ماننے میں خدا کی نافرمانی ہو اس میں کسی بندے کی فرماں برداری نہ کرو ۔

اسلام نے یہ کہہ کر فی الحقیقت ان تمام ماسوی اللہ اطاعتوں اور فرماں برداریوں کی بندشوں سے مومنوں کو آزاد و حُر کامل کر دیا جن کی بیڑیوں سے تمام انسانوں کے پاؤں بوجھل ہو رہے تھے اور اس ایک ہی جملہ میں انسانی اطاعت اور پیروی کی حقیقت اس وسعت اور احاطہ کے ساتھ سمجھا دی کہ اس کے بعد اور کچھ باقی نہ رہا۔ یہی ہے جو اسلامی زندگی کا دستور العمل ہے اور یہی ہے جو مومن کے تمام اعمال و اعتقادات کی ایک مکمل تصویر ہے اس تعلیم الٰہی نے بتلا دیا ہے کہ جتنی اطاعتیں، جتنی فرماں برداریاں، جتنی وفاداریاں اور جس قدر بھی تسلیم و اعتراف ہے صرف اُسی وقت تک کے لیے ہے جب تک کہ بندے کی بات ماننے سے خدا کی بات نہ جاتی ہو اور دُنیا والوں کے وفادار بننے سے خدا کی حکومت کے آگے بغاوت نہ ہوتی ہو لیکن اگر کبھی ایسی صورت پیش آ جائے کہ اللہ اور اس کے بندوں کے احکام میں مقابلہ آ پڑے تو پھر تمام اطاعتوں کا خاتمہ، تمام عہدوں اور شرطوں کی شکست، تمام رشتوں اور ناطوں کا انقطاع اور تمام دوستیوں اور محبتوں کا اختتام ہے۔ اس وقت نہ تو حاکم، حاکم ہے، نہ بادشاہ بادشاہ، نہ باپ باپ ہے۔ نہ بھائی بھائی۔ سب کے آگے تمرّد، سب کے ساتھ انکار، سب کے سامنے سرکشی، سب کے ساتھ بغاوت۔ پہلے جس قدر نرمی تھی اتنی ہی اب سختی چاہیے۔ پہلے جس قدر اعتراف تھا اتنا ہی اب تمرّد چاہیے پہلے جس قدر فرماں برداری تھی اتنی ہی اب نافرمانی مطلوب ہے۔ پہلے جس قدر جھکاؤ تھا اتنا ہی اب غرور ہے، کیوں کہ رشتے کٹ گئے اور عہد توڑ ڈالے گئے۔ رشتہ دراصل ایک ہی تھا اور سب رشتے اسی ایک رشتے کی خاطر تھے۔ حکم ایک ہی تھا اور یہ سب اطاعتیں اسی ایک ہی اطاعت کے لیے تھیں۔ جب ان کے ماننے میں اس سے انکار اور ان کی وفاداری میں اس سے بغاوت ہونے لگی تو جس کے حکم سے رشتہ جوڑا تھا۔ اسی کی تلوار نے کاٹ بھی دیا اور جس کے ہاتھ نے ملایا تھا اسی کے ہاتھ نے الگ بھی کر دیا۔

لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِی مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ۔

سرورِ کائنات اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مسلمانوں کا کون آقا ہو سکتا ہے، لیکن خود انہوں نے بھی جب عقبہ میں انصار سے بیعت لی تو فرمایا کہ وَالطَّاعَةُ فِی مَعْرُوفٍ میری اطاعت تم پر اسی وقت تک کے لیے واجب ہے جب تک کہ میں تم کو نیکی کا حکم دوں۔ جب اس شہنشاہِ کونین کی اطاعت مسلمانوں پر نیکی و معروف کے ساتھ مشروط ہے تو پھر دُنیا میں کون بادشاہ، کون سی حکومت، کون سے پیشوا، کون سے رہنما اور کون سی قوتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن کی اطاعت ظلم و عدوان کے بعد بھی ہمارے لیے باقی رہے؟

آدمؑ کی اولاد دو کی محکوم نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک سے ملے گی دوسرے کو چھوڑے گی۔ ایک سے جڑے گی دوسرے سے کٹے گی۔ پھر خدارا مجھے بتلاؤ کہ ایک مومن کس کو چھوڑے گا اور کس سے ملے گا؟ ایک ملک کے دو بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ ایک باقی رہے گا ایک کو چھوڑنا پڑے گا پھر مجھے بتلاؤ کہ مومن کی اقلیمِ دل کس کی بادشاہت قبول کرے گی؟ کیا وہ اس سے ملے گا جس کی حالت یہ ہے:

وَیَقْطَعُونَ مَا اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖ اَنْ یُوصَلَ۔

خدا نے جس کو جوڑنے اور ملانے کا حکم دیا ہے وہ اسے توڑتے اور جُدا کرتے ہیں۔

کیا اس کی بادشاہت قبول کرے گا جس کی حالت کی تصویر یہ ہے کہ؟:

وَیُفْسِدُونَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخَاسِرُونَ۔

وہ دُنیا میں فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں اور انجام کار وہی ناکام و نامراد رہیں گے۔

اور کیا اس کی بادشاہت سے گردن موڑے گا جو پکارتا ہے کہ:

یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ

اے غافل انسان! کیا ہے جس کے گھمنڈ نے تجھے اپنے مہربان اور پیار کرنے والے آقا سے سرکش بنا دیا ہے؟

مگر آہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔

تم اس شہنشاہِ حقیقی کی حکومت سے کیوں کر انکار کرو گے جس نے تمہیں اس وقت زندہ کیا جب کہ تم مُردہ تھے۔ وہ تم پر پھر موت طاری کرے گا۔ اس کے بعد دوبارہ زندگی بخشے گا پھر تم سب اُسی کے پاس بلا لیے جاؤ گے۔

دُنیا اور اس کی بادشاہیاں فانی ہیں۔ اُن کے جبروت و جلال کو ایک دن مِٹنا ہے خدائے مُنتقم و قہّار کے بھیجے ہوئے فرشتہ ہائے عذاب، انقلاب و تغیرات کے حربے لے کر اُترنے والے ہیں۔ ان کے قلعے مسمار ہو جائیں گے۔ ان کی تلواریں کُند ہو جائیں گی۔ ان کی فوجیں ہلاک ہوں گی۔ ان کی توپیں ان کو پناہ نہ دیں گی۔ ان کے خزانے ان کے کام نہ آئیں گے۔ ان کی طاقتیں نیست و نابود کر دی جائیں گی۔ ان کا تاجِ غرور ان کے سر سے اُتر جائے گا۔ ان کا تختِ جلال و عظمت واژگون نظر آئے گا:

وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِکَةُ تَنْزِیْلًا ہ اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ

اور جس دن آسمان ایک بادل کے ٹکڑے پر سے پھٹ جائے گا اور اس بادل کے اندر سے فرشتے جوق در جوق اُتارے

بِالرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ۝ جائیں گے۔

اس دن کسی کی بادشاہت باقی نہ رہے گی صرف خدائے رحمٰن ہی کی حکومت ہوگی اور یاد رکھو کہ وہ دن کافروں کے لیے بہت ہی سخت دن ہوگا۔

پھر اُس دن جب کہ رَبُّ الْاَفْوَاج اپنے ہزاروں ہزار قدسیوں کے ساتھ نمودار ہوگا اور مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا نقیب پکارے گا۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ — آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؛
الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ — کسی کی نہیں۔ صرف خدائے واحد وقہار کی۔

تو اُس وقت کیا عالم ہوگا اُن انسانوں کا جنہوں نے بادشاہِ ارض وسما کو چھوڑ کر مٹی کے تودوں کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے اور ان کے حکموں کی اطاعت کو خدا کے حکموں کی اطاعت پر ترجیح دیتے ہیں؟ آہ اس دن وہ کہاں جائیں گے جنہوں نے انسانوں سے صلح کرانے کے لیے خدا سے جنگ کی اور اپنے اُس ایک ہی آقا کو ہمیشہ اپنے سے روٹھا ہوا رکھا۔ وہ پکاریں گے پر جواب نہ دیا جائے گا۔ وہ فریاد کریں گے پر سُنی نہ جاوے گی۔ وہ توبہ کریں گے پر قبول نہ ہوگی، وہ نادم ہوں گے پر ندامت کام نہ آوے گی۔

اے انسان اُس دن کے لیے تجھ پر افسوس ہے وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ

وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ۔ — ان سے کہا جائے گا کہ اب اپنے ان خداوندوں اور حاکموں کو پکارو۔

جن کو تم خدا کی طرح مانتے تھے اور خدا کی طرح ان سے ڈرتے تھے۔ وہ پکاریں گے پر کچھ جواب نہ پائیں گے۔

پس وہ مُعلّمِ الٰہی وہ داعیِ ربانی وہ مُبشّر و مُنذِر وہ رحمۃ للعالمین وہ محبوب رب العالمین، وہ سُلطان کونین آگے بڑھے گا اور حضورِ خداوندی میں عرض کریگا:

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُورًا ۝ — اے پروردگار! افسوس ہے کہ میری اُمت نے قرآن کی ہدایتوں اور تعلیموں پر عمل نہ کیا اور اس سے اپنا رشتہ کاٹ لیا۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے جو وہ آج بھگت رہے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

پس سفر سے پہلے زادِ راہ کی فکر کر لو اور طوفان سے پہلے کشتی بنالو، کیوں کہ سفر نزدیک ہے اور طوفان کے آثار ظاہر ہو گئے ہیں۔ جن کے پاس زادِ راہ نہ ہوگا۔ وہ بھوکے مریں گے اور جن کے پاس کشتی نہ ہوگی وہ سیلاب میں غرق ہو جائیں۔ جب تم دیکھتے ہو مطلع غبار آلود ہوا اور دن کی روشنی بدلیوں میں چھپ گئی تو تم سمجھتے ہو کہ برق وباراں کا وقت آگیا۔ پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ دُنیا کی امن و سلامتی کا مطلع غبار آلود ہو رہا ہے۔ دینِ الٰہی کی روشنی ظلمت اور کفر و طغیان میں چھپ رہی ہے مگر تم یقین نہیں کرتے کہ موسم بدلنے والا ہے اور تیار نہیں ہوتے کہ انسانی بادشاہتوں سے کٹ کر خدا کی بادشاہت کے مطیع ہو جاؤ۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا کے تختِ جلال کی مُنادی پھر بلند ہو اور اس کی زمین صرف اسی کے لیے ہو جائے۔ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔

آہ ہم بہت سو چکے اور غفلت و سرشاری کی انتہا ہو چکی۔ ہم نے اپنے خالق سے ہمیشہ غرور کیا، لیکن مخلوقوں کے سامنے کبھی بھی فروتنی سے نہ شرمائے ہمارا وصف یہ بتلایا گیا ہے کہ،

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ — مومنوں کے ساتھ نہایت عاجز و نرم مگر
اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ — کافروں کے مقابلے میں نہایت مغرور و سخت

ہمارے اسلاف کرام کی یہ تعریف کی گئی تھی کہ؛

اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ — کافروں کے لیے نہایت سخت ہیں پر
رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ — آپس میں نہایت رحم والے اور مہربان!

پر ہم نے اپنی تمام خوبیاں گنوا دیں اور دُنیا کی مغضوب قوموں کی تمام برائیاں سیکھ لیں۔ ہم اپنوں کے آگے سرکش ہو گئے اور غیروں کے سامنے ذلت سے جھکنے لگے۔ ہم نے اپنے پروردگار کے آگے دستِ سوال نہیں بڑھایا، لیکن بندوں کے دسترخوان کے گرے ہوئے ٹکڑے چننے لگے۔ ہم نے شہنشاہِ ارض وسما کی خداوندی سے نافرمانی کی، لیکن زمین کے چند جزیروں کے مالکوں کو اپنا خداوند سمجھ لیا۔ ہم پورے دن میں ایک بار بھی خدا کا نام ہیبت اور خوف کے ساتھ نہیں لیتے، پر سینکڑوں مرتبہ اپنے غیر مسلم حاکموں کے تصوّر سے لرزتے اور کانپتے رہتے ہیں؛

يَا اَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ فِيْ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ — اے سرکش انسان! کس چیز نے تجھے اپنے مہربان اور محبت کرنے والے پروردگار کی جناب میں گستاخ کر دیا ہے؛ وہ کہ اس نے تجھے پیدا کیا، تیری ساخت درست کی، تیری خلقت کو اعتدال بخشا اور جس صورت میں چاہا تیری شکل کی ترکیب کی۔ پھر یہ کس کی وفاداری ہے جس نے تجھے اس سے باغی بنا دیا ہے؟ نہیں اصل یہ ہے کہ تمہیں اس کی حکومت

جَحِیْمٍ ۔ یَصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِیْنَ وَمَا اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۔ ثُمَّ مَا اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۔

کا یقین ہی نہیں ۔ حالانکہ تم پر اس کی طرف سے ایسے بزرگ نگران کار متعین ہیں، جو تمہارے اعمال کو ہر آن حساب کرتے رہتے ہیں اور تمہارا کوئی فعل بھی ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں ۔ یاد رکھو کہ ہم نے ناکامی اور کامیابی کی ایک تقسیم کر دی ہے ۔ خدا کے اطاعت گزار بندے عزت و مراد اور فتح و کامرانی کے عیش و نشاط میں رہیں گے اور بدکار و نافرمان خدا کی بادشاہی کے دن نامرادی و ہلاکت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے جس سے کبھی نکل نہ سکیں گے ۔ یہ خدا کی بادشاہی کا دن کیا ہے ؟ وہ دن جس میں کوئی کسی کے لیے کچھ نہ کر سکے گا اور صرف خدا ہی کی اس دن حکومت ہوگی ۔

اس سے پہلے کہ خدا کی بادشاہی کا دن نزدیک آئے کیا بہتر نہیں کہ اس کے لیے ہم اپنے تئیں تیار کر لیں ؟ تاکہ جب اس کا مقدس دن آئے تو ہم یہ کہہ کر نکال نہ دیے جائیں کہ تم نے غیروں کی حکومت کے آگے خدا کی حکومت کو بھلا دیا ۔ جاؤ کہ آج خدا کی بادشاہت میں بھی تم بالکل بھلا دیے گئے ہو ۔ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ ۔

وَقِیْلَ الْیَوْمَ نَنْسٰکُمْ کَمَا نَسِیْتُمْ لِقَاءَ یَوْمِکُمْ هٰذَا وَمَاْوٰکُمُ النَّارُ وَمَا لَکُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۔ ذٰلِکُمْ بِاَنَّکُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْکُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فَالْیَوْمَ لَا یُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ

اور اس وقت ان سب سے کہا جائے گا کہ جس طرح تم نے اس دن کی حکومتِ الٰہی کو بھلا دیا تھا آج ہم بھی تم کو بھلا دیں گے تمہارا ٹھکانہ آگ کے شعلے ہیں اور کوئی نہیں کہ جو تمہارا مددگار ہو ۔ یہ اس کی سزا ہے کہ تم نے خدا کی آیتوں کی ہنسی اڑائی اور دنیا کی زندگی اور اس کے کاموں نے تجھے دھوکہ میں ڈالے رکھا پس آج نہ تو عذاب سے تم نکالے جاؤ گے اور نہ ہی تمہیں اس کا موقع ملے گا کہ توبہ و استغفار کر کے خدا کو منا لو ۔ کیوں کہ اس کا وقت تم نے کھو دیا ۔

آج خدا کی حکومت اور انسانی بادشاہتوں میں ایک سخت جنگ بپا ہے ۔ شیطان کا تخت زمین کے سب سے بڑے حصے پر بچھا دیا گیا ہے ۔ اس کے گھرانے کی وراثت اس کے پوجنے والوں میں تقسیم کر دی گئی ہے اور "دجال" کی فوج ہر طرف پھیل گئی ہے ۔ یہ شیطانی بادشاہتیں چاہتی ہیں کہ خدا کی حکومت کو نیست و نابود کر دیں ۔ ان کی داہنی جانب دنیوی لذتوں اور عزتوں کی ایک ساحرانہ جنت ہے ۔ اور بائیں جانب جسمانی تکلیفوں اور عقوبتوں کی ایک دکھائی دینے والی جہنم بھڑک رہی ہے ۔ جو فرزندِ آدم خدا کی بادشاہت سے انکار کرتا ہے یہ دجالِ کفر و ظلمت اس پر اپنی جادو کی جنت کا دروازہ کھول دیتے ہیں کہ حق پرستوں کی نظر میں فی الحقیقت خدا کی لعنت اور جہنم کی پھٹکار ہے لَابِثِیْنَ فِیْهَا اَحْقَابًا ۔ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۔ اور جو خدا کی بادشاہت کا اقرار کرتے ہیں ان کو اپنی ایسی عقوبتوں اور جسمانی سزاؤں کی جہنم میں دھکیل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ : حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَکُمْ ۔ مگر فی الحقیقت سچائی کے عاشقوں اور راست بازی کے پرستاروں کے لیے وہ جہنم جہنم نہیں ہے، لذتوں اور راحتوں کی ایک جنتُ النعیم ہے، کیونکہ ان کے لسانِ ایمان و ایقان کی صدا یہ ہے کہ :

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدنیا ۔ انا امنا بربنا یغفرلنا خطٰیٰنا ۔

اے دنیوی سزاؤں کی طاقت پر مغرور ہونے والے بادشاہ ! تو جو کچھ کرنے والا ہے کر گزر ! تو صرف دنیا کی اس زندگی اور گوشت اور خون کے جسم ہی پر حکم چلا سکتا ہے پس چلا ۔ دیکھ ! ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ ہماری خطاؤں کو معاف کرے ۔ تیری دنیاوی سزائیں ہمیں اس کی راہ سے باز نہیں رکھ سکتیں ۔

جب کہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور زمین کے ایک خاص ٹکڑے ہی میں نہیں بلکہ اس کے ہر گوشے میں آج یہی مقابلہ ہے ۔ تو بتلاؤ پرستارانِ دینِ حنیفی ان دجاجلہ کفر و ظلمت اور اس حکومت و امرِ الٰہی میں سے کس کا ساتھ دیں گے ؟ کیا ان کو اس آگ کے شعلوں کا ڈر ہے جو دجال کی حکومت اپنے ساتھ سلگاتی آتی ہے ؟ لیکن کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان کا مورثِ اعلیٰ کون تھا ؟ دینِ حنیفیت کے اولین بانی نے بابل کی ایک ایسی ہی سرکش حکومت کے مقابلے میں خدا کی حکومت کو ترجیح دی اور اسے آگ میں ڈالنے کے لیے شعلے بھڑکائے گئے پر اس کی نظر میں ہلاکت کے وہ شعلے گلزارِ بہشت کے شگفتہ پھول تھے قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ

کیا ان کے دل میں دنیوی لذتوں اور عزتوں کی اس جھوٹی جنت کی طمع پیدا ہو گئی ہے جس کے فریبِ باطل سے یہ جنود شیطانی انسانی روح کو فتنہ میں ڈالنا چاہتی ہے ۔ اگر ایسا ہے تو کیا انہیں خبر نہیں کہ مصر کا بادشاہ حکومتِ الٰہی کا منکر ہو کر اپنی عظیم الشان گاڑیوں اور بڑی بڑی رتھوں سے اور اس ملک سے جس پر اسے "ربِ اعلیٰ" ہونے کا گھمنڈ تھا ۔ کتنے دن متمتع ہو سکا ؟

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ

فرعون ارضِ مصر میں بہت ہی بڑھ چڑھ کر نکلا تھا ۔ اس نے ملک کے باشندوں میں تفریق پیدا کر کے الگ الگ گروہ قرار دے رکھے تھے ۔ ان میں سے ایک گروہ

وَيَسْتَحْيِ نِسَآءَهُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝

بنی اسرائیل کو اس قدر کمزور و بے بس سمجھ رکھا تھا کہ ان کے فرزندوں کو قتل کرتا اور ان کے اغراض و ناموس کو برباد کرتا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ زمین کے مفسدوں میں سے بڑا ہی مفسد تھا، لیکن بایں ہمہ ہمارا فیصلہ یہ تھا کہ جو قوم اس کے ملک میں سب سے زیادہ کمزور سمجھی گئی تھی اسی پر احسان کریں۔ اسی قوم کے لوگوں کو وہاں کی سرداری و ریاست بخشیں۔ انہی کو وہاں کی سلطنت کا وارث بنائیں اور انہی کی حکومت کو تمام ملک میں قائم کرا دیں اس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ فرعون و ہامان اور اس کے لشکر کو جس ضعیف قوم کی طرف سے بغاوت و خروج کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اسی کے ہاتھوں ان کے ظلم و استبداد کا نتیجہ ان کے آگے آئے۔

مسلمانو! کیا متاعِ آخرت بیچ کر دنیا کے چند خزف ریزوں پر قناعت کی خواہش ہے؟ کیا اللہ کی حکومت سے باغی رہ کر دنیا کی حکومتوں سے صلح کرنے کا ارادہ ہے؟ کیا نقدِ حیاتِ ابدی بیچ کر معیشتِ چند روزہ کا سامان کر رہے ہو؟ کیا تمہیں یقین نہیں کہ؛

مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ط

یہ دنیا کی زندگی (جو تعلقِ الٰہی سے خالی ہے) اس کے سوا اور کیا ہے کہ فانی خواہشوں کے بہلانے کا ایک کھیل ہے! اصلی زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے جس کے لیے اس زندگی کو تیار کرنا چاہیے۔

اگر تم صرف دنیا ہی کے طالب ہو جب بھی تم اپنے خدا کو نہ چھوڑو، کیونکہ وہ دنیا اور آخرت دونوں بخشنے کے لیے تیار ہے، تم کیوں صرف ایک ہی پر قناعت کرتے ہو

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔

جو شخص دنیا کی بہتری کا طالب ہے اس سے کہہ دو کہ صرف دنیا کے لیے ہی کیوں ہلاک ہوتا ہے؟ حالانکہ خدا تو دین اور آخرت دونوں کی بہتری دے سکتا ہے۔ وہ خدا کے پاس آئے اور آخرت کے ساتھ دنیا کو بھی لے۔

مسلمانو! پکارنے والا پکار رہا ہے کہ اب بھی خدائے قدوس کی سرکشی و نافرمانی سے باز آ جاؤ اور بادشاہِ ارض و سما کو اپنے سے روٹھا ہوا نہ چھوڑو۔ جس کے روٹھنے کے بعد زمین و آسمان کی کوئی ہستی بھی تم سے من نہیں سکتی! اس سے بغاوت نہ کرو بلکہ دنیا کی تمام طاقتوں سے باغی ہو کر صرف اسی کے وفادار ہو جاؤ۔ پھر کوئی ہے جو اس آواز پر کان دھرے؟ فَهَلْ مِنْ مُّسْتَمِعٍ ؟

آسمانی بادشاہت کے ملائکہ مکرمین اور قدسیانِ مقربین اپنے نورانی پروں کو پھیلائے ہوئے اس راست باز روح کو ڈھونڈ رہے ہیں جو مخلوق کی بادشاہت چھوڑ کر خالق کی حکومت میں بسنا چاہتی ہے۔ کون ہے جو اس پاک مسکن کا طالب ہو اور پاک بازوں کی طرح پکار اٹھے:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

اے ہمارے حقیقی بادشاہ! ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو تیری بادشاہت کی آواز دے رہا تھا۔ اے ہمارے ایک ہی بادشاہ! ہم نے تیری بادشاہت قبول کی۔ پس ہمارے گناہ معاف کر! ہمارے عیوب پر پردہ ڈال! اپنے نیک بندوں کی معیت میں ہمارا خاتمہ کر! تو نے اپنے منادی کرنے والوں کی زبانی ہم سے جو وعدے کیے تھے وہ پورے کر اور اپنی آخری بادشاہت میں ہمیں ذلیل و رسوا نہ کر کہ تو اپنے وعدوں سے کبھی نہیں ٹلتا۔

مزدوروں کے حقوق

أُعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ ۔ (طبرانی)

مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔

؎ جب پسینہ خشک ہو مزدور کا
اس سے پہلے کیجیے اجرت ادا

تکبیر اور تعظیم شعائر اللہ کا مقدس دن

عید

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سید محمد میاں دامت برکاتہم

لفظِ عید اور اس کی حقیقت "عید" عربی لفظ ہے۔ ہم اس کو نام کے طور پر استعمال کرتے ہیں جیسے ہولی، "دیوالی" ایک تیوہار مانا جاتا ہے۔ شب برات اور محرم کو تیوہار کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی عید اور بقرعید بھی دو تیوہاروں کے نام سمجھے جاتے ہیں۔ مگر اپنے اصل و حقیقت کے لحاظ سے "عید" کے یہ معنے نہیں ہیں۔

عید، عَود، عُود، عادت۔ ان سب الفاظ کا ماخذ ایک ہی ہے اور "بار بار" ہونے کا مفہوم اس ماخذ یعنی "عود" کا بنیادی نقطہ اور مرکزی مفہوم ہے۔ اس بنا پر ہر دن "عید" ہے۔ کیونکہ وہ بار بار آتا رہتا ہے۔ اور نہ صرف دن بلکہ ہر ایک رات اور ہر ایک شب دیجور کو بھی "عید" کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس کا چکر بھی برابر چلتا رہتا ہے۔ اور وہ بھی یکے بعد دیگرے مسلسل آتی رہتی ہے۔ لیکن محاورہ اور عرفِ عام نے کچھ حدیں قائم کردیں۔ "ع ی د" کے اس لفظی قالب میں "مسرت اور خوشی کی روح پھونکی گئی ہے کامیابی اور بامرادی کا ہار اس کے گلے میں ڈالا گیا۔ اور اجتماعی زندگی کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا۔ یعنی "عید" اس پُر مسرت اور بامراد دن کو کہا جانے لگا۔ جو اجتماعی اور قومی زندگی کی تاریخ میں کسی کامیابی اور کامرانی کا مالک ہو۔ اور اس کی یاد بار بار دلاکر جسم ملت کی سوکھی رگوں میں مسرت کی امنگ اور خوشی کی تازگی پیدا کرتا رہتا ہو۔

لفظ و معنی کے تجزیہ اور تحلیل کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ لفظ "عید" اپنے ماخذ کے لحاظ سے کچھ ہی معنے رکھتا ہو مگر محاورہ اور عرفِ عام میں وہ "ہندی" لفظ "تیوہار" کا مفہوم ادا کرتا ہے۔

عید اور تیوہار میں فرق جہاں تک عربی لغت کا تعلق ہے عید اور تیوہار ایک ہی مفہوم کے دو نام ہیں۔ یعنی جس کو تیوہار کہا جاتا ہے۔ اسی کو عید بھی کہا جائے گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ عرب کے قومی مذاق نے بھی عید۔ و تیوہار میں کوئی خاص فرق نہیں کیا تھا۔ بقول حضرت سیدنا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ جس طرح ایران کے مجوسی دو تیوہار "نوروز" اور "مہرجان" منایا کرتے تھے۔

مدینہ کے عرب بھی ان دونوں تیوہاروں کے عادی ہوچکے تھے۔ ایرانی ان دونوں تیوہاروں کے لیے فارسی الفاظ نوروز اور مہرجان استعمال کیا کرتے تھے۔ عربوں نے ان کے لیے اپنے یہاں کا ٹکسالی لفظ "عید" بولنا شروع کردیا تھا۔ یعنی ایک ہی روح کے لیے دو قالب اور ایک ہی منشاء کی تعبیر کے دو عنوان تھے۔ ایک فارسی اور ایک عربی۔

خاتم الانبیاء رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ عزوجل کا آخری پیغام اور نوع انسان کے لیے مکمل ترین تہذیب لے کر مدینہ طیبہ پہنچے، تو آپ نے جس طرح قوم کی تمام عادتوں اور ان کے ہر ایک رسم و رواج پر تنقیدی نظر فرماکر اصلاح فرمائی۔ اس رسم پر بھی تبصرہ فرماکر اس کی اصلاح فرمائی۔ ابدلکم اللہ خیرًا منہما یوم الاضحی ویوم الفطر (یعنی اللہ نے ان دونوں کے بدلے میں دو تیوہار دیئے ہیں جو ان دونوں سے بہتر ہیں "عید قربان" اور "عید الفطر") یعنی یہ حقیقت کہ خوشی کے دن ہوں۔ چھوٹے اور بڑے سب ہی حسب حیثیت عمدہ لباس پہنیں، بن سنور کر نکلیں، ملیں جلیں اور خوشی منائیں۔ اس حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترمیم کردی گئی کہ یہ دو دن نوروز اور مہرجان نہیں بلکہ فطر اور اضحی کے دو دن ہیں۔

کیوں کیا معاذ اللہ قومی تعصب تھا جس نے یہ ترمیم ضروری قرار دی یا کوئی اصلاحی مقصد تھا جس کے لیے یہ ترمیم ضروری سمجھی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ دینِ فطرت یعنی اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ "فطرت" کا گلا نہیں گھونٹتا۔ البتہ اس کی کج روی اور بے اعتدالی دور کردیتا ہے۔ اس کا یہی فعل یہاں بھی ہوا ہے۔ یعنی فطری مطالبہ کو پورا کرتے ہوئے اس میں وہ خوبی پیدا کردی گئی ہے کہ وہ صرف نفسانی اور مادی چیز ہی نہیں رہی بلکہ سراسر عبادت اور ایک روحانی حقیقت بن گئی ہے۔ اسلامی تعلیم کا حاصل یہ ہے کہ خوشی ضرور مناؤ۔ فطرت کے اس تقاضے کو کہ سال میں ایک دو روز ایسے ضرور ہوں جن میں اپنی تہذیب قومی اور ملی شان و شوکت کا مظاہرہ ہو۔ ضرور پورا کیا جائے۔ مگر ان دونوں کے مقرر کرنے اور منانے میں زمانہ جاہلیت کا ذوق اور جاہلانہ جذبات کارفرما نہ ہوں۔ بلکہ اس کا محرک کوئی سچا اور پاک جذبہ ہونا چاہیے۔

آباء پرستی حرام ہے، مادہ پرستی شرک ہے اور ایسا ترنگ اور ایسی عیش و عشرت جو جامۂ انسانیت کو چاک اور جبینِ تہذیب کو داغدار بنادے۔ خود تہذیب پر ظلم ہے۔ لہٰذا "عکاظ" اور "ذی المجاز" جیسے تیوہار اور میلے جن میں خاندانی عظمت اور آباؤ اجداد کے مفاخر میں فصاحت و بلاغت کی تمام طاقتیں صرف کردی جائیں یا نوروز اور مہرجان جیسے تیوہار جن میں موسم بہار کے نام پر زندگی کی بہاروں میں بحران پیدا کیا جائے۔ اور خورد و نوش کی وسعت کو رقص و طرب کے دائرہ تک پہنچا کر عیش و عشرت کی داد دی جائے۔ یہ انسانیت و تہذیب و شرافت کی پیشانی پر بدنما داغ ہیں۔ ان میں سے ایک ایک کو مٹ جانا چاہیے۔

یعنی اسلام کا بنایا ہوا تیوہار، نسلی برتری، خاندانی فخر و عظمت آباؤ اجداد کے مفاخر یا موسم بہار و خزاں کے مادی اثرات کی بنا پر نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ آباء پرستی کے بجائے خدا پرستی، خاندانی فخر و عظمت کے بجائے اخلاص و للّٰہیت اور عیش و عشرت کے بجائے ایثار و قربانی کے جذبات اس میں کارفرما ہونے چاہئیں۔ اور وہ دن ایسے ہوں کہ ان سے اگر یاد ہوسکے تو انہیں پاک جذبات کی اور انہیں مقدس رجحانات کی۔ تاکہ انسانی فطرت کا تقاضا اسی طرح پورا ہو کہ عبدیت و بندگی، خدا پرستی اور انسانی شرافت و عظمت کے آثار بھی نمایاں رہیں۔ اور اسلام جس انسانیت کی تعلیم دیتا ہے اس کی زندہ تصویر سامنے آسکے۔ اور یہ جو انفرادی طور پر زندگی کا نصب العین ان الہامی الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین (بے شک میری نماز، میری قربانی میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے)۔ یہ مقدس نصب العین اجتماعی صورت میں بھی سامنے آجائے۔

اسلام نے خدا پرستی کی تصویر میں اخلاص و صداقت کا رنگ بھرنے کے لیے سب سے پہلے روزے کی تلقین کی ہے۔ جس کی شان اخلاص کا اندازہ حدیثِ قدسی کے اس جملے سے ہوسکتا ہے۔ الصوم لی وانا اجزی بہ (روزہ صرف میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دونگا) اخلاص و ایثار اور قربانی کی آخری حد وہ ہے کہ انسان سب کچھ حتیٰ کہ آل و اولاد کو بھی قربان کر ڈالے۔

اسلام نے فطرتِ انسان کو دعوت دی کہ شان و شوکت، زیبائش و آرائش اور انبساط و مسرت کی تمام جلوہ آرائیاں، اخلاص و صداقت کے انہیں دو محوروں پر ہونی چاہئیں۔ (باقی ۳۰ پر)

زبردست اور زیردست

حلم و بُردباری تقاضائے اسلام ہے

کلیم اللہ ملک میانوالی

ہر انسانی معاشرہ تین ادوار سے گزرتا ہے۔ پہلا دور بدوی دوسرا دور غزوی اور تیسرا دور حضری ہوتا ہے۔ ابنِ خلدون لکھتے ہیں کہ "ہر قوم میں ایسے قبائل ہوتے ہیں جو پہلے صحرا اور وادیوں میں زندگی گزارتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ ترقی کرتے ہیں۔ پھر ان اقوام سے جنگ کرتے ہیں جو ان اقوام سے تمدن میں کم ہوتی ہیں اور یہ ان کا دوسرا دور ہوتا ہے۔ اس کے بعد تیسرا دور شروع ہوتا ہے اور یہ بھی متمدن ہو جاتے ہیں۔ قوانین وضع ہوتے ہیں۔ مختلف علوم اور فنونِ لطیفہ کو ترقی دی جاتی ہے یہاں تک کہ تعیش کی طرف ان کا میلان زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ لڑائی یا مقابلے سے گریز و اجتناب کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ بالآخر کوئی جنگجو یا جفاکش قبیلہ انہیں مغلوب کر کے ان پر حکومت کرنے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح ہی نوعِ انسان میں دائمی حرکت جاری رہتی ہے۔ بعض قوموں کا عروج ہوتا ہے تو بعض کا زوال شروع ہوتا ہے۔

ان حقائق کا بتدریج منزلیں طے کرنا تاریخی عمل ہے لیکن ایک حقیقت جو ازل سے لے کر ابد تک قائم رہے گی اور جو انسانی جبلت سے خارج نہیں ہو سکی وہ یہ ہے کہ بڑی مچھلیاں ہمیشہ چھوٹی مچھلیوں کو شکار کرتی ہیں۔ بڑی مچھلیاں بڑی مچھلیوں کے قریب سے یوں گزرتی ہیں جیسے شدید اختلافات کے باوجود اور حقِ ملکیت کے چیلنج کے باوجود ان کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو۔ حالانکہ اسلام نے جس معاشرہ کا تصوّر انسانیت کے سامنے پیش کیا ہے، اس میں واضح کیا گیا ہے کہ زبردست سے خوف کھانے والے کو چاہیئے کہ وہ زبردست سارا غصہ زیردست پر نہ جھاڑ سکے۔ بلکہ اگر زبردست کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تو زیردست سے شفقت اور محبت سے پیش آئے۔ یہ ایک ایسا مرض ہے جسے اسلام نے ابتدائی دنوں میں مومنین کے دل سے مٹا دیا تھا۔

لیکن جوں جوں اسلامی روایات سے دامن چھڑانے کی کوشش کی گئی اس عادت کے نقش و نگار پھر ابھر آئے۔ اور اس وقت تو ہمارے اپنے معاشرے میں بھی عمل عادتوں کا محور بن چکا ہے جس پر زور چلتا ہے۔ اس پر پورا لگا دیا جاتا ہے اور جس کے سامنے بے بسی ہو بگلہ کی طرح آنکھیں بند رکھی جاتی ہیں حالانکہ احادیث اور اسلامی روایات کا نچوڑ یہ ہے کہ

"زیردستوں پر رحم کرو تاکہ زبردست آپ پر رحم کریں۔"

اقوامِ متحدہ زبردستوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کا کام کر رہی ہے اور اس کا پلیٹ فارم بڑی طاقتوں کا شغل پورا کرنے کا ایک سٹیج ہے۔ بڑی طاقتیں آپس میں گھلی ملی رہتی ہیں۔ نام نہاد معاہدات کے نام پر بغل گیر رہتی ہیں اور کوئی ایسی بات نہیں کرتیں جو دوسری طاقت کے نفسیاتی جائزہ کے برعکس ہوں۔ لیکن اگر کوئی خوددار ملک کسی بڑی طاقت کے احکامات کی خلاف ورزی کا جرم کر بیٹھے تو اسے کڑی سے کڑی سزا سے دوچار کیا جاتا ہے۔ اس پر جنگ ٹھونس دی جاتی ہے۔ یا اس کے داخلی معاملات میں ایسا مستقل الاؤ بھڑکا دیا جاتا ہے جو اس کی زندگی کو کم کرتا جائے یا گھمبیر زخم بن جائے جو ہمیشہ رستا رہے اور گستاخی کی سزا کی یاد تازہ ہوتی رہے۔ خود وطن عزیز ۱۹۶۵ء میں امریکہ سے گستاخی کی سزا بھگت چکا ہے۔ ۱۹۶۲ء، ۱۹۶۴ء میں مسٹر ایوب مرحوم امریکہ میں اس طرح گھسے جس طرح شیر آتا ہے۔ جنرل اسمبلی کو خطاب کیا۔ کسی دوست ملک کو ممبر بنانے اور اقوام متحدہ میں اس کی حیثیت کے مطابق نمائندگی دینے کا مطالبہ کیا۔ ۱۹۶۵ء میں ہم پر ایسی خوفناک جنگ مسلط کی گئی

کہ قوم اگر ڈٹ کر مقابلہ نہ کرتی تو ہمارا نام و نشان مٹ چکا ہوتا۔ ۱۹۷۱ء میں روس نے ایسے خوفناک حالات سے ہمیں دوچار کیا، جس سے ہمارا آدھا ملک نہ صرف ہم سے جدا ہو گیا بلکہ ہمیں ہمیشہ کے لیے احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا۔ کہ جب تک ہم انتقام نہیں لے لیتے ہیں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں۔ اس کی وجہ بھی امریکہ والی گستاخی سے کچھ مختلف نہیں تھی۔ امریکہ کے وزیرِ خارجہ کی چین کے وزیرِ اعظم سے خفیہ ملاقات کرائی گئی اور روس کو وضاحت پر اسے مطمئن نہ کیا جا سکا اس سے پہلے امریکی یوٹو اُڑا پشاور سے اور جاسوسی روس پر کرنے گیا مگر سزا ہمیں دی گئی۔ جس کا طیارہ تھا اس کا نام تک نہ لیا گیا۔

ان واقعات اور حالات پر نظر دوڑائیے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ چھوٹی سی گستاخی کی ہمیں کتنی بڑی سزا دی گئی۔ لیکن مقابل یا برابر کی طاقتیں ایک دوسرے کی دھمکیوں کو برداشت کرتی ہیں، حالانکہ زبردست سے کنی کتراتے اور زیردست پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے انہیں خدا سے ڈرنا چاہیئے اور انہیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کبھی زبردست زیردست کے ہاتھوں بھی شکست سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً حضرت موسٰے علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعون کے دربار میں کلمۂ حق سُنا دو تو فرعون نے شدید ردِ عمل کا اظہار کیا یہاں تک کہ آخری موقع پر وہ حضرت موسٰے علیہ السلام کے پیچھے دوڑا چلا آیا کہ موسٰے کو دریا پار نہیں جانے دوں گا۔ لیکن تاریخ اس کی خواہش پر ہمیشہ تھپڑ رسید کرتی رہیگی۔ موسٰے علیہ السلام فضلِ خدا سے دریا پار کر گئے لیکن فرعون اسی دریا میں ڈوب کر مرا۔

زیردست کو اسلام میں مظلوم سے تعبیر کیا گیا ہے اور مظلوم کی آہ کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ احادیثِ نبویؐ اور قرآنِ عظیم سے پتہ چلتا ہے کہ مظلوم کی آہ عرش ہلا دیتی ہے اور بلا روک ٹوک پہنچتی ہے۔ خود اپنے ملک میں چند دن قبل اس کی مثال قائم ہوئی۔ ایک ہزار (بعض روایات کے مطابق) سے زائد افراد نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اور لاکھوں انسانوں نے جیلوں کو اپنا مسکن بنایا اور یہ جذبہ روز بروز ابھرتا گیا کہ آتشِ نمرود کو ٹھنڈا کر کے ہی دم لینا ہے۔ قوم کے اس جذبِ ایمان میں ظلم اور تشدد کی لہریں جذب ہو کر رہ گئیں۔ اقتدار کا منفی سہارا لینے والے اپنے اقتدار کی سہاگن کو بیوہ بنا چکے۔ ظالم بہرحال مظلوم کو فتح و کامرانی سے ہمکنار کرتا ہے اور مظلوم کے قدموں میں ظالموں کے جلے ہوئے محلوں کی راکھ ہوتی ہے۔ زمانہ وقت تو ضرور لیتا ہے لیکن خدا کے باطنی احتساب اور رب العالمین کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ ظلم چاہے ایک فرد پر ہو یا پوری قوم پر اس کی نوعیت میں فرق تو ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے اثر اور نفوذ کی راہ ایک ہی ہوتی ہے۔ نجی جیلیں ہوں یا سرکاری عقوبت خانے ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ لیکن اتنا یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ ظالموں کا احتساب جلد یا بدیر ہو کر رہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی دنیاوی جاہ و حشمت اور اثر و رسوخ کو دیکھتے ہوئے ہمارے معاشرہ میں انہیں احتساب کے عمل سے بالاتر سمجھتے رہیں۔ ظلم کرنے والا اسی ظلم کا شکار ہی ہوتا ہے جس قسم کے ظلم وہ مظلوم پر توڑتا ہے۔

اسلام بلاشبہ ایک زبردست طاقت کی حیثیت سے اُبھرا اور دُنیا پر چھا گیا۔ اسلام کی تلوار سے دشمنانِ اسلام کے نہ صرف سر تن سے جدا ہوئے بلکہ ان کے نام و نشان تک مٹ گئے۔ لیکن تاریخِ اسلام دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تلوار اسلام کی شوکت میں اضافہ کا باعث ہوئی لیکن ذاتی مفادات یا ذاتی حصار کو بچانے کے لیے قطعاً استعمال نہ ہوئی۔ حضرت علیؓ بے فکری کے عالم میں تھے۔ ایک کافر نے حملہ کیا حضرت علیؓ نے اسے پچھاڑ دیا۔ وہ گر پڑا۔ حضرت علیؓ تلوار لے کر اس پر چڑھ گئے۔ قریب ہی تھا کہ حضرت علیؓ نے اسے قتل کر دیا ہوتا، لیکن کافر نے حضرت علیؓ کے مُنہ پر تھوک دیا۔ حضرت علیؓ اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا آپ کا اور میرا اب ذاتی معاملہ بن گیا ہے۔ میں تلوار ذات کے لیے نہیں اسلام کے لیے چلاتا ہوں۔

حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ جنابِ رسالتمآب صلعم نے فرمایا کہ اپنے غلاموں اور خادموں پر اپنے اختیارات کو غلط استعمال کرنے والا جنت میں داخل نہ ہو گا۔

مولانا منظور احمد نعمانی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے عرض کیا میرا خادم یا غلام، فرض کرو بار بار قصور کرے، میں کہاں تک اسے معاف کروں اور کتنی دفعہ معاف کروں اور اسے کس وقت سزا دوں؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ اگر بالفرض روزانہ وہ ستر دفعہ بھی قصور کرے تو تم اس کو معاف

ہی کرتے رہو۔ حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ قصور کا معاف کرنا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی کوئی حد مقرر کی جائے بلکہ حسنِ اخلاق اور ترحم کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بالفرض روزانہ ستر دفعہ بھی قصور کرے اس کو معاف کر دیا جائے۔ زیردستوں سے یہ سلوک احسان اور اخلاق کے زمرے میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کی مشکلات آسان فرما دیتا ہے جو ایسا کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ اس شخص سے سب سے زیادہ پیار کرتا ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ احسان کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رحم کرنے والوں اور ترس کھانے والوں پر بڑی رحمت والا خدا رحم کرے گا۔ زمین پر رہنے بسنے والی اللہ کی مخلوق پر تم رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحمت کرے گا۔ زیردستوں پر رحم کرنے کی ہدایت فرمائی گئی جس میں انسانوں کے تمام طبقوں کے علاوہ جانور بھی شامل ہیں۔

فتح مکہ کا دن مبارک دن تھا جب اسلام کے راستہ میں مشکلات اور رکاوٹیں پیدا کرنے والے کفار ہمیشہ کے لیے زیردست ہو رہے تھے لیکن اس موقع پر جو کچھ کیا گیا وہ تاریخ کا اتنا بڑا اثاثہ ہے کہ دنیا کی قومیں ہمیشہ اس مقام پر آکر اسلامیوں کی عظمت کے سامنے جھک جاتی ہیں۔ تاریخ کی گردش یہاں ٹھہر کر اسلامیوں کو سلام کرتی ہے۔ انسانیت کا بوجھ قیامت تک نہیں اتار سکتی۔

حضرت سعدؓ جھنڈا لیے ابوسفیانؓ کے قریب سے گزرے۔ اور کہا آج خونریزی کا دن ہے۔ آج کے دن عزتیں خراب کر دی جائیں گی اور آج کے دن قریش ذلیل ہوں گے۔ ابوسفیان جناب رسالتمآبؐ رسول اللہ صلعم کے پاس حاضر ہوئے۔ عرض کی میں آپؐ کو آپ کی قوم کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ آپؐ تو تمام لوگوں سے بھلے اور صلہ رحمی سے پیش آنے والے ہیں۔ دوسرے صحابہؓ نے بھی عرض کیا کہ ہم سعدؓ سے مطمئن نہیں ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ قریش پر حملہ کر بیٹھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوسفیان آج کا دن رحم کا دن ہے۔ آج انتقام کا دن نہیں۔ آج اللہ پاک نے قریش کو عزت دی ہے اور آپؐ نے صحابہؓ کو بھیج کر سعدؓ سے جھنڈا لے لیا اور وہ جھنڈا حسنینؓ کے حوالے کر دیا گیا۔

ملکی حالات نے جو کروٹ لی ہے۔ اسے ضبط اور حوصلہ سے نبھانے کی ضرورت ہے۔ اصل مقصد پر نگاہ مرکوز رکھی جائے یہ درست ہے کہ پچھلے سات سالہ جابرانہ دور میں زیردست کو نشانہ ستم بنایا گیا۔ لیکن اسلامی احکامات کا تقاضا ہے کہ اپنے اخلاقی اصولوں کو مدِنظر رکھیں۔ اسلامی نظام کے قائم ہونے کے بعد غلط اور غیر اسلامی روایات اور اطوار کو جب اتار پھینکا جائے گا تو انشاء اللہ وہ سحر نمودار ہو گی جس نے عرب کے بدوؤں کو اور چرواہوں کو تاج و تخت کا مالک بنا دیا۔ چرواہے دنیا کے استاد بن گئے۔ اسلام نے انسانی ضبط و تحمل، اخلاق، حلم و بردباری میں ایسا انقلاب برپا کیا کہ اس کی مثال کسی اور نظام میں ناممکن ہے۔

دین اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے ہر پہلو پر اس طرح منطبق آتا ہے کہ گویا کوئی گوشہ اس کی دسترس سے باہر نہ ہو۔ رسول اللہ محسن اعداء تھے اور ہم اپنے دینی بھائیوں اور اسلامی دوستوں پر رحم نہیں کرتے۔ باطل نظام نے ہمیں باطل راہوں پر چلنا سکھا دیا ہے۔

ہمارے ہاں جابر حکمران رعایا پر ظلم ڈھاتے اور ان کے حقوق غصب کرتے ہیں۔ زیردستوں پر اپنی شوکت اور عظمت کا رعب جمانے کے لیے طرح طرح کے غیر انسانی حربے استعمال کرتے ہیں۔ اور جب کسی ملک میں خدا کے احکامات کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں تو پھر اس کی رحمت کی طلب کیونکر ہو سکتی ہے اور جس قوم سے اللہ تعالیٰ رحمت کا ہاتھ اٹھاتا ہے وہ دنیا میں چاہے اپنی طاقت کے زعم اور بل بوتے پر کتنی ہی مقبول ہو آخرت میں ذلیل و خوار ہو گی۔ اس لیے اپنے ہاں کی معاشرت معیشت سیاست، ثقافت کو اپنی اصل روایات سے بدل دیں تاکہ دیگر احکامات کی حکم عدولی سے بچنے کے ساتھ ہمارے اندر رحم اور شفقت کا مادہ بھی پروان چڑھے۔ جب تک کسی انسان میں رحم کا عنصر واضح طور پر موجود نہ ہو وہ خدا کی رحمت طلب کرے بھی تو اسے نہیں مل سکتی۔ رسول اللہ کی حیاتِ طیبہ اور صحابہؓ کے اقوالِ زریں اس درس کا کھلا اور بیّن ثبوت ہیں کہ ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

شاہراہ قراقرم

شمارہ ۹-۱۰ کا صفحہ ۲۹ اور ۳۰ پریس کی غلطی سے رہ گیا تھا۔ "شاہراہ قراقرم" کے سلسلے میں مضمون کا یہ حصہ پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

ے جانے کے لیے ہیلی کاپٹر تیار کھڑا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے اختیار سے کب ایسا کر سکتے ہیں۔ پھر وہ افسر دونوں حضرات کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر انجینئرنگ فوجی مَس راولپنڈی صدر لے گئے۔ جہاں ان کے ٹھہرانے کا خاطر خواہ انتظام تھا اور ہر طرح خاطر مدارات ہوتی رہی۔ ہری پور کی پولیس گارد حفاظت کرتی رہی۔ ۲۸ اپریل صبح ناشتہ کے بعد ۸ بجے ایک فوجی افسر ان کے پاس آئے اور حاجی فقیر محمد خان اور مولانا سمیع الحق کو یہ کہہ کر ساتھ لے چلے کہ آپ ہمارے بالائی افسران سے بات کریں گے۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے بتایا کہ وہ افسر ہمیں گاڑی میں لے کر سابق جنرل ٹکا خان حال وزیر دفاع و سلامتی امور کے مکان پر لے گیا جو غالباً صدر کے پاس سٹریٹ میں تھا، یا اس کے آس پاس۔ جنرل ٹکا خان اپنے دفتر میں موجود تھے اور آج وزارت سنبھالنے کے بعد ان کا پہلا دن تھا۔ ان کے پاس جنرل سعد رب بھی موجود تھے۔ یہ لوگ بڑے تپاک سے ملے۔ چند لمحے بعد میجر جنرل شفقات سید بھی آ گئے۔ علیک سلیک کے بعد جنرل ٹکا خان نے شیخ الحدیث مدظلہ کے ایکسیڈنٹ اور علالت کا ذکر کیا۔ ان کی مزاج پرسی کی اور خود سارے حالات بتلا کر کہا کہ میں پوری طرح مولانا کی خبر گیری کر رہا ہوں، اور انشاء اللہ ان کی صحت اچھی ہو جائے گی۔ پھر متعلقہ موضوع شاہراہ قراقرم پر بات شروع کی اور کہا کہ آپ لوگ بے شک اپنی تحریک چلائیں، جو بھی کریں، مگر ہم سڑکوں پر بندش کی اجازت نہیں دے سکتے۔ باتوں باتوں میں گویا جتلانے کے انداز میں کہی کہ ہم لوگوں نے کوہستان کے لوگوں کے لیے سڑکیں بنائیں، ان میں لنگر تقسیم کیے اور اب وہ لوگ یہ صلہ دے رہے ہیں۔

حاجی فقیر محمد خان صاحب نے، جو ایک غیور مرد کوہستانی تھے، نے فوراً کہا کہ آپ لوگوں نے لنگر تقسیم کیے یا کروڑوں روپیہ ان لوگوں کے نام پر ہضم کیا۔

جنرل صاحب جھلا اٹھے اور خشمگیں انداز میں کہا کہ کس نے ہضم کیا؟ جواب میں کہا گیا کہ عربوں سے زلزلہ زدگان کے نام پر کروڑوں روپیہ آیا اور ان لوگوں میں ایک ایک سیر گڑ اور چند روٹیاں بانٹی گئیں۔ باقی حکومت اور بھٹو نے ہضم کیا۔ جنرل صاحب نے اس موقعہ پر بھی بھٹو صاحب کی صفائی کرنی ضروری سمجھی اور کہا کہ بھٹو نے نہیں پچھلے لوگوں نے کیا ہوگا۔ ابتدا ہی سے گفتگو کے انداز میں تلخی اور ان حضرات کی طرف سے بے باکانہ اور جرأت مندانہ جوابات دیکھ کر کچھ دیر تک جنرل صاحب کے تیور چڑھے رہے مگر بہت جلد انہوں نے اپنا انداز بدل دیا اور نرمی سے بات شروع کی اور کہا کہ ہم لوگوں کا کام تو سڑکیں بنانا ہے۔ آپ لوگوں کی حکومت آئے تب ان کی ضرورتوں کو پورا کریں گے مگر اس وقت تو نازک معاملہ ہے۔

تینوں جرنیلوں نے گفتگو میں بتلایا کہ وہاں کی صورت حال نازک ہے۔ سات ہزار پاکستانی فوجی اور سات ہزار چینی کاریگر اس وقت گھرے ہوئے ہیں۔ ان کے رسد کا مسئلہ ہے جو بہت کم رہ گیا ہے۔ اس سے بڑھ کر ان حضرات نے اس بات پر زور دیا کہ خود آپ کے عوام جو بالائی علاقوں گلگت وغیرہ میں رہتے ہیں اور جو کئی لاکھ ہیں، سامان رسد منقطع ہو جانے کی وجہ سے مشکلات میں ہیں۔ اس وقت کئی سو ٹرک مال سے لدے ہوئے رکے ہوئے ہیں۔ شاہراہ پانچ چھ جگہ سے کاٹ دی گئی ہے۔ اپنے آدمیوں کو تو ہم ہیلی کاپٹر کے ذریعہ رسد خوراک پہنچا دیں گے لیکن تمہارے عوام کا کیا ہوگا۔ ان کی تکالیف بڑھ رہی ہیں۔

جواب میں کہا گیا کہ جب ان لوگوں نے خود ایسا کیا ہے تو وہ —— قربانیاں دینے کو تیار ہوں گے اور تکالیف کو خندہ پیشانی سے سہیں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے علم میں تو قومی اتحاد کے مرکزی قیادت نے سڑکوں کو بلاک کرنے کی اپیل نہیں کی مگر اب جبکہ ایک علاقہ کے عوام ایسا کر چکے ہیں تو ہم اس سلسلے میں تعاون سے معذور ہیں۔ جنرل ٹکا صاحب نے کہا کہ ہمیں متفقہ اطلاعات ملی ہیں کہ اس علاقہ میں جمعیت العلماء اسلام کا اثر زیادہ ہے، عوام علماء کے زیر اثر ہیں اور ہمیں بتایا گیا ہے کہ مولانا عبدالحق صاحب نے ایسا کوئی فتویٰ دیا ہے اور اس علاقہ میں مولانا صاحب کے موجود شاگردوں نے اس فتویٰ پر عملدرآمد کرایا۔ انہوں نے بار بار یہ بھی کہا کہ مولانا صاحب کا ایکسیڈنٹ نہ ہوا ہوتا تو ہم انہیں مجبور بھی کر لیتے۔ اب کیا کیا جائے۔ اب آپ لوگ وہاں جا کر انہیں کہہ دیں کہ مولانا نے بھیجا ہے۔

انہوں نے کہا کہ ہمیں تو اس مقصد کے لیے جیل سے بلایا ہی نہیں گیا بلکہ یہ کہا گیا کہ آپ لوگ مولانا سے ہسپتال میں مل لیں۔

جنرل ٹکا صاحب نے کہا کہ ہمیں سرحد کے گورنر نے جیل سے روانگی کے وقت بتلا دیا تھا۔ پھر جنرل صاحب نے گورنر سرحد سے فون ملایا اور انہیں کہا کہ آپ خود بات کریں۔ گورنر صاحب نے فون پر حاجی فقیر محمد صاحب سے کافی دیر تک بات کی۔ اور لے دے ہوتی رہی۔ انہوں

نے پشتون والی اور اسلام کے واسطے پیش کیے۔ حاجی صاحب نے جواب میں کہا کہ اسلام کی بات مفتی محمود صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں اگر آپ اس سلسلہ میں ہمیں مجبور کرتے ہیں تو ہمیں سہالہ کیمپ جیل میں مفتی محمود صاحب سے ملائیں۔ ہم ان کے سامنے ساری صورت حال رکھ دیں گے۔ وہ قومی اتحاد کے سربراہ ہیں اور ہم موجودہ حکومت کے نہیں ان کے احکام کے پابند ہیں۔ وہ اگر ہمیں اجازت دیں تو ہم آپ کے ساتھ تعاون کر سکیں گے۔

فون پر گفتگو ہوئی تو جنرل ٹکا صاحب نے گورنر سے بات کی اور کہا کہ یہ لوگ بار بار یہی کہتے ہیں کہ ہم مفتی صاحب سے مل کر کوئی جواب دے سکتے ہیں۔ مگر مفتی صاحب سے ملاقات کی اجازت تو ہمارے بس میں نہیں۔ اس کے لیے تو اوپر سے اجازت لینی ہوگی۔ باتوں باتوں میں جنرل صاحب نے اپنے ماضی کی روایات کا انداز لیے ہوئے دھمکی آمیز انداز میں یہ بھی کہا کہ ہم چوبیس گھنٹوں میں کھول سکتے ہیں۔ دیر میں ہم نے فساد رفع کیا۔ یہ کیا، وہ کیا ۔ ۔ ۔ مگر جواب میں ان سے کہا گیا کہ آپ قوت اور طاقت والے ہیں، ایک گھنٹہ میں بھی کھول لیں، مگر ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اُدھر سے دبی زبان میں بنگلہ دیش اور اس کے انجام و نتائج کی طرف بھی اشارہ ہوا۔ گفتگو کے دوران فوج کے ان سرکردہ حضرات سے ایک بار یہ بھی کہا گیا کہ آپ لوگ ہمیں کیوں مجبور کرتے ہیں۔ اسی علاقے کے مولوی عبدالحکیم اور مولوی عبدالباقی کو کیوں نہیں بھیجتے ـــــ پی پی پی کے دو صوبائی امیدوار منتخب قرار دیئے گئے ہیں ان سے کیوں نہیں کھلواتے! ـــــ

اس کے جواب میں بے اختیار جنرل صاحب کے منہ سے نکلا، کہ جی ہاں۔ مگر وہ تو بوگس ممبر ہیں۔ عوام نے تو آپ لوگوں کو منتخب کیا ہے۔ اور وہ تو جی ایچ کیو کے لوگوں کی مانتے ہیں۔ اس پر دونوں طرف سے ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا۔ ایک دفعہ حاجی فقیر محمد خان نے الزامی طور پر کہا کہ ہماری حیثیت کیا ہے۔ عوام نے ہمیں منتخب کیا ـــــ میں ایم اے ہوں مگر سی کلاس میں پڑا ہوا ہوں اور چپل پہنے ہوئے جیل سے لایا گیا ہوں۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ ٹکا خان صاحب شاید آپ لوگوں سے صورت حال کی نزاکت اور اہمیت مخفی رکھی گئی ہے۔ اس وقت پورے ملک کا خلاصہ طبقہ علماء، مشائخ، وکلاء، طلباء کے لیڈر، سیاستدان غرض پڑھے لکھے طبقے کا نچوڑ جیلوں میں پابند سلاسل ہے اور سی کلاسوں میں سڑ رہا ہے۔ خیبر سے کراچی تک یہی عالم ہے۔ جنرل صاحب نے کہا کہ اتنی بڑی تعداد کے لیے جیلوں میں بہتر کلاس فراہم کرنا مشکل ہے۔ مولانا سمیع الحق نے کہا کہ آپ میری بات کو تکالیف کی شکایت سمجھ بیٹھے۔ ہم ان تکالیف پر شاکی نہیں، نہ سی کلاس کی شکایت ہے۔ یہ لوگ بڑی سے بڑی قربانی بھی دیں گے۔ البتہ آپ کو اس تحریک کی وسعت اور ہمہ گیری اور نازک ترین صورت حال کی طرف متوجہ کرانا مقصد ہے۔

الغرض کافی دیر تک بات چیت ہوتی رہی۔ چائے سے بھی تواضع ہوتی رہی۔ مگر ادھر سے ایک ہی جواب تھا کہ ہمیں سہالہ جیل میں قومی اتحاد کے سربراہ سے ملا دیا جائے تب کوئی جواب دیا جا سکتا ہے۔ جنرل صاحب نے کہا کہ اچھا آپ لوگ راولپنڈی ہی میں ٹھہریں۔ آپ ہمارے مہمان ہوں گے۔ کوئی تکالیف نہیں ہوں گی۔ میں اوپر سے ـــــ (بھٹو صاحب ہی مراد ہو سکتے تھے) پوچھ کر بتاؤں گا۔ اگر ضرورت سمجھی گئی تو آپ کو سہالہ بھیج دیا جائے گا۔

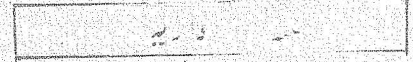
اس کے بعد یہ حضرات رخصت لینے لگے۔ مولانا سمیع الحق نے جنرل صاحب سے کہا کہ بہر حال ہم اس بات پر تو مشکور ہیں کہ آپ کی وجہ سے جیل سے مجھے اپنے والد صاحب سے آکر ملنے کا موقعہ تو ملا۔ اس کے بعد آپ نے جنرل صاحب سے کہا کہ جب تک ہم پنڈی میں ہیں ہسپتال میں مولانا کے پاس آنے جانے اور ساتھ رہنے کی اجازت ہو۔ جو انہوں نے بخوشی دے دی۔ جنرل ٹکا خان صاحب سے مصافحہ ہوا اور ادھر سے چلتے چلتے یہ بھی کہا کہ جنرل صاحب نہایت ہی نازک موقع پر آپ نے اپنے اوپر بڑی نازک ذمہ داریاں ڈال لی ہیں۔

مولانا سمیع الحق صاحب نے بتلایا کہ دوران گفتگو جب جنرل صاحب کو اپنے میز پر پڑے ہوئے سامان پر اگر کوئی مکھی نظر آجاتی تو اسے مارنے کی جد و جہد کرتے رہتے تو میرے دماغ میں امام ابو یوسف کے زمانہ کا ایک واقعہ یاد آنے لگا کہ جب وہ مرض وفات میں تھے تو ایک ایسے اسیر نے جس کی زندگی قتل و قتال میں گذری تھی اور جس کا دامن خون کے دھبوں سے لبریز تھا، نے امام صاحب سے آکر پوچھا کہ اگر کوئی مکھی نجس چیز پر بیٹھے اور پھر اڑ کر پاک کپڑوں پر بیٹھ جائے تو کپڑے پاک رہتے ہیں یا ناپاک۔ امام ابو یوسفؒ نے نہایت ناگواری سے منہ دوسری طرف پھیر کر کہا کہ اس شخص کو اپنے طویل قتل و قتال سے لبریز زندگی کا فکر تو نہیں مگر مکھیوں کے ایسے موہوم نجاست کا بڑا فکر دامن گیر ہے۔

مولانا سمیع الحق نے یہ بھی کہا کہ جنرل صاحب سے ملاقات سے قبل ایک خاص شہرت تھی۔ کچھ عرصہ ان کی عظمتوں کا چرچا سنتے رہے، مگر پچھلے چند دنوں سے ان کی زندگی کے تازہ پہلوؤں سے وہ سارے نقوش مٹ چکے تھے اور جنرل صاحب کے سامنے بات چیت

کرتے ہوئے ہم ہیں استغنا اور شانِ بے نیازی اور جلالتِ انداز کی عجیب کیفیت تھی، واقعی مخاطب کی عظمت اور عالم عظمت کا تعلق اس کے کردار سے ہے، خارجی شان و شوکت اور قوت و سطوت پر نہیں۔

اس کے بعد آپ لوگ ان کے دفتر سے باہر آئے۔ میجر جنرل



فرشتے خواہشات سے منزہ اور پاک ہوتے ہیں"

لیکن جب نیکیوں کا موسم بہار ہماری بے راہروی کا ماتم کرتا گزر جائے تو عید کیسی اور کس کی؟ ہم نے الٹے ملتوں کا نام عید کی خوشیاں رکھ لیا حالانکہ وہ لوگ جو ان خیر و برکت کی گھڑیوں میں اپنے نفس کا محاسبہ کر کے عبادت و بندگی کے اعتبار سے اپنا فرض ادا نہیں کرتے۔ حق اللہ اور حق العباد کا پاس و لحاظ نہیں کرتے وہ اس کائنات کے چوپایوں سے بدتر ہیں۔ یہی قرآن کا فیصلہ اور یہی نبیؐ کا ارشاد ہے۔

آیئے اگر ہم سچے مسلمان ہونے کے مدعی ہیں۔ خدا کو اپنا مالک حقیقی اور محمد کریم علیہ السلام کو اپنا قائد و رہنما تسلیم کرتے ہیں تو اپنے عمل و کردار کا جائزہ لیں کہ بدعملی و بے عملی تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

اجلا لباس، مرغن غذائیں عید کے لوازمات نہیں بلکہ نیکی کی معراج اصل عید ہے۔

روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ عید کے دن خشک روٹی کھا رہے تھے۔ پوچھنے پر جواب دیا۔ کہ "ہماری عید اس دن ہوتی ہے جس دن کوئی گناہ نہ ہو"

اگر یہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا تو عید محض ایک رسم ہے اور محض رسموں کا کیا فائدہ؟

علوی
۱۰ رمضان ھ

نہ جا اُس کے تحمل پر

بھٹو اور اس کے حواری قانون کی زد میں آچکے ہیں آرہے ہیں۔ اللہ کے نبیؐ کا ارشاد ہے :-

کہ اللہ ظالموں کو ڈھیل دیتے ہیں اور جب گرفت میں لیتے ہیں تو پھر کوئی چھڑانے والا نہیں ہوتا"

مولانا ظفر علی خاں نے اس کی ترجمانی کی ہے

نہ جا اس کے تحمل پہ کہ ہے بے ڈھب گرفت اس کی
ڈر اس کی دیر گیری سے کہ سخت ہے انتقام اس کا

مولانا شمس الدین، صاحبزادہ محمد منیر شہید (درگاہ امروٹ شریف) ڈاکٹر نذیر احمد، جاوید نذیر، خواجہ محمد رفیق، نواب محمد احمد خان، عبدالصمد اچکزئی اور نہ معلوم کتنے شہیدانِ وفا ہیں جن کا خون ظالموں کی پکار پکار کر نشاندہی کر رہا ہے اس کے علاوہ ملک میں جو کچھ ہوا اس کی داستان کا ایک ایک ورق نکھر کر سامنے آرہا ہے اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ اس کے سوا اور جو بھی کیا سکتا تھا؟

لیکن ہمارے لیے اس میں خوشی کی کوئی بات نہیں بلکہ سنتِ الٰہی پر نظر رکھتے ہوئے اپنے عمل و کردار کا احتساب ضروری ہے۔ بالخصوص وہ جماعتیں اور افراد جو ملک کی زمام قیادت سنبھالنے کے لیے پر تول رہی ہیں انہیں تاریخ کے ان عبرت ناک واقعات کو ذہن میں رکھ کر قدم بڑھانا چاہیے کہ فطرت کے قانون سب کے لیے یکساں ہیں۔

بقیہ : افاداتِ محمود

مصحف مدنی پڑھائیں اور عبداللہ بن السائب کو حکم دیا کہ مصحف مکی مکہ والوں کو پڑھائیں اور مغیرہ بن ابی شہاب کو حکم دیا کہ وہ شام میں مصحف شامی پڑھائیں۔ اور ابو عبدالرحمٰن السلمی کو حکم دیا کہ وہ کوفہ میں مصحف کوفی پڑھائیں اور عامر بن عبدقیس کو فرمایا کہ بصرہ میں مصحف بصری پڑھائیں۔

اور اس وقت ان شہروں میں حفاظ کا ایک جم غفیر موجود تھا۔

اور اس جمع کو جمع عثمانؓ کہتے ہیں (اس تفصیل سے تمام جمعوں میں واضح فرق معلوم ہوتا ہے)

ناشر : (مولانا) عبیداللہ انور

جنگِ حطین

صلاح الدین ایوبی کی شاندار فتح

کرنل مختار احمد گیلانی

موازنہ حالات ماضی اور حاضرہ

جنگِ حطین بیان کرنے سے پہلے مشرقِ وسطیٰ کے موجودہ حالات اور وہاں جنگِ حطین سے پیشتر (۱۰۸۰ تا ۱۱۸۷ء) کے حالات کا موازنہ کرنا ضروری ہے کیونکہ بدقسمتی سے موجودہ حالات کی ماضی کے حالات سے مشابہت ہے۔ آج عالمِ اسلام میں اتحاد نہ ہونے کے باعث ۲۵ لاکھ یہودی بیت المقدس پر قابض ہیں۔ مسجد اقصےٰ میں آتشزنی (اگست ۱۹۶۹ء) اور اسلامی مقدس مقامات کی بے حرمتی مسلمانانِ عالم کی غیرت کے لیے ایک چیلنج ہے۔ اس روح فرسا خبر پر جس قدر بھی غم و غصہ کا اظہار کیا جائے کم ہے مگر ہماری حمیت کو جھنجھوڑنے کے باوجود دنیائے اسلام نے اب تک کیا مؤثر کارروائی کی ہے۔ کانفرنسیں کی گئی ہیں۔ اتحاد پر زور دیا گیا ہے۔ لیڈروں نے بے شمار بیانات دیے ہیں۔ مسجدوں میں دعائیں مانگی گئی ہیں۔ اسرائیل کو صلواتیں سنائی گئی ہیں، مگر اب تک کوئی ٹھوس منصوبہ تیار نہیں کیا گیا۔ مقدس مقامات اور کھویا ہوا علاقہ محض اخباری بیانوں یا کانفرنسوں سے حاصل نہیں ہوگا۔ اس کے لیے فوری اتحاد اور فوری ACTION کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں اقوامِ متحدہ سے کسی انصاف کی اُمید رکھنا غلطی ہی نہیں بلکہ سراسر بے وقوفی ہے۔ اقوامِ متحدہ ایک بے کار ادارہ ہے اس پر امریکہ اور دوسری بڑی طاقتوں کا تسلط ہے اسی ادارے نے اسرائیل کو جنم دیا تھا اور اسی ادارہ کی تاریک کوٹھریوں میں مسئلہ کشمیر کو ۲۱ سال سے نا اہلی کا دیمک چاٹ رہا ہے۔ امریکہ خاص طور پر اسرائیل کی سرپرستی کر رہا ہے۔ اسرائیلی وزیرِ اعظم نے ۲۶ ستمبر ۱۹۶۹ء کو نیویارک میں صاف بتا دیا ہے کہ اسرائیل امریکہ کی مدد ہی سے قائم ہوا تھا اور امریکہ کے سہارے ہی زندہ ہے۔ بڑی طاقتوں میں سے روس عربوں کو اسلحہ اور صرف اخلاقی مدد دے رہا ہے۔ قیاس ہے کہ اسرائیل ایسی آتش (؟) کی حرکت کے ذریعے اہلِ اسلام کی طاقت کا اندازہ لگانا چاہتا ہے اور اگر خدا نخواستہ اہلِ اسلام نے شدید مزاحمت نہ کی تو یہودی مسجد اقصےٰ کو (نعوذ باللہ) مسمار کرکے اس کی جگہ ہیکلِ سلیمانی تعمیر کر دیں گے اور ہو سکتا ہے عالمِ اسلام کی نااتفاقی کے باعث یہودی بڑی طاقتوں کے ایما پر مکہ اور مدینہ کی طرف بھی بڑھنے کی ہمت کریں۔ اسرائیل ایک منظم اور بہت امیر ملک ہے اُسے تمام عالم یہود (جو دُنیا کے زیادہ تر کاروبار پر مسلط ہیں) کی مدد حاصل ہے۔ اسے امریکہ، برطانیہ، جرمنی اور دوسرے بے شمار ممالک کی ہر قسم کی مدد (اقتصادی، اسلحہ، ٹریننگ اور سیاسی) ملتی ہے۔ اگر اسرائیل کے وجود (۱۹۴۸) میں آنے سے لے کر آج تک کی عرب، اسرائیل، لڑائیوں اور جھڑپوں کو ”ساتواں کروسیڈ“ کہا جائے تو بجا ہوگا جو ظلم و ستم مسلمانوں پر آج اسرائیل ڈھا رہا ہے اور جو بے حرمتی مقدس مقامات کی آج جاری ہے بالکل ایسے ہی انداز میں عیسائیوں نے کروسیڈ کی جنگوں میں کیا تھا۔ ۱۰۹۸ء میں انطاکیہ کی فتح پر ایک لاکھ

مسلمانوں کو قتل کیا گیا تھا۔ مغربی مؤرخین کے مطابق ۱۰۹۹ء میں بیت المقدس فتح کرنے کے بعد ایک ہفتہ تک مسلمانوں کا قتلِ عام ہوا۔ اور ۷۰ ہزار سے زائد شہید کیے گئے۔ مسجدِ اقصیٰ اور مسجدِ عمر میں اتنا انسانی خون بہہ رہا تھا کہ گھوڑوں کی ٹانگیں اس میں ڈوب رہی تھیں۔ عورتوں کی کھلم کھلا بے حرمتی کی گئی۔ بعض مؤرخین کے مطابق جشن کی دعوت میں عیسائیوں نے ترکوں اور عربوں کا گوشت مزے لے کر کھایا۔ نوّے سال کے قبضے کے دوران (۱۰۹۹ تا ۱۱۸۷) اسلامی مقدس مقامات اصطبل کے طور پر استعمال کیے گئے تھے۔ صلیبی سورماؤں کے دوش بدوش یورپ کی بے شمار حسین و جمیل عورتیں MOBILE BROTHEL مذہبی رہنماؤں کے ایما پر جنسی قربانی دینے کے لیے موجود تھیں۔ اگر مقدس مقامات کی دیواروں کی زبان ہوتی تو نہ جانے صلیبیوں کے کس قدر حیا سوز مناظر بیان کرتیں۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ مسلمان جیسے آج منتشر ہیں اسی طرح آج سے سات سو سال قبل نا اتفاقی کا شکار تھے، جیسے آج مشرقِ وسطیٰ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہے (عراق، لبنان، شام، اردن، سعودی عرب، متحدہ عرب جمہوریہ، یمن، کویت، بحران، مسقط، اور قطر وغیرہ) ایسے ہی اُن دنوں بے شمار چھوٹے چھوٹے کمزور خود مختار حکمران ایک دوسرے کو زیر اور ہڑپ کرنے میں مشغول تھے۔ اگر کسی غیرت مند شخصیت نے باہمی اتفاق کا بیڑہ اُٹھایا تو اسے کچلنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا گیا۔ یہاں تک کہ دنیائے اسلام کے دشمنوں سے مل کر اسے ختم کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔

آج محض عربوں کی طاقت اسرائیل کو مکمل طور پر کچلنے کے لیے کافی ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق عربوں کو ہر لحاظ سے اسرائیل پر فوقیت حاصل ہے۔ جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں بھی عربوں کو اسرائیل پر فوقیت حاصل تھی مگر عربوں کے پاس کوئی مرکزی HIGH COMMAND نہ تھا اور نہ ہی مشترکہ جنگی منصوبہ تھا، بلکہ وہاں تو ایک دوسرے پر مکمل بھروسہ ہی نہیں تھا۔ ظاہری طور پر تمام عرب ممالک نے اسرائیل کے خلاف تمام فوجی قوت استعمال کرنے کا اعلان کیا تھا مگر حالات کے جائزے سے ظاہر ہوتا ہے کہ چند عرب ممالک نے محض دکھاوے کے طور پر TOKEN FORCE ایک یا دو بریگیڈ جنگ میں بھیجنے پر اکتفا کیا۔ فوج کا بیشتر حصہ سرکاری دفاتر اور برسرِ اقتدار لوگوں کے گھروں کے دفاع میں اس ڈر سے رکھا کہ کہیں موقعہ پا کر مخالف پارٹی حکومت کا تختہ نہ الٹ دے اور چند ممالک تو فوجی مدد کے بھی نا اہل تھے۔ اس کے علاوہ عربوں کی ٹریننگ (خاص طور پر متحدہ عرب جمہوریہ) ناقص تھی۔ انہیں اپنے سامانِ حرب کے استعمال کا صحیح سلیقہ نہ تھا۔ اسرائیلی جاسوس (غدار مقامی باشندے بھی شامل تھے) فوج کی نقل و حرکت اور خفیہ جنگی تجویزوں کی مکمل فہرست حاصل کرنے میں کامیاب رہے تھے۔ کاش عرب جنگِ اجنادین اور یرموک کی شان دار جنگوں میں خالد بن ولید کی حیران کن جنگی چالوں سے کچھ حاصل کرتے۔ کاش وہ صلاح الدین ایوبی کی جنگِ حطین میں فیصلہ کن فتح کے اسباب پر غور کرتے۔ کاش وہ دوسری جنگِ عظیم میں طاقتور اتحادی افواج کے خلاف رومیل کی صحرائے اعظم میں برق رفتار پیش قدمی کا مطالعہ کرتے۔ کاش وہ ۱۹۵۶ء کی عرب اسرائیل جنگ سے سبق حاصل کرتے اور کاش وہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے حالات پڑھتے کہ کیسے پاکستان نے پانچ گنا طاقتور دشمن پر کاری ضربیں لگا کر اسے مفلوج کر دیا تھا۔ آج مشرقِ وسطیٰ میں لیڈرشپ کا فقدان نہیں۔

شاہ حسین (اردن) اور جمال ناصر جون ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد عربوں میں اور بھی مقبول اور ہر دلعزیز ہو گئے ہیں، سعودی عرب کے شاہ فیصل کو بھی عرب سیاست میں بلند مقام حاصل ہے مگر جب تک مکمل اتحاد قائم نہیں ہو جاتا اسرائیل سے مقدس مقامات اور کھویا ہوا علاقہ لینا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ مغربی ممالک کا پراپیگنڈا اسرائیل کی جیت کو بہت ہی بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔ خاص طور پر امریکی اور برطانوی پریس عربوں کو بزدل اور نااہل پیش کرتا ہے۔ خود عربوں کے دوستوں میں بھی عربوں کی جنگی صلاحیت پر شک سا ہو گیا ہے۔ عربوں کو احساسِ کمتری میں مبتلا کر کے دشمن فائدہ اٹھا رہا ہے اور باوجود جنگ لڑنے کی صلاحیت اور اہلیت رکھتے ہوئے عرب کوئی مؤثر قدم اٹھانے سے ہچکچاتے ہیں مگر عربوں کے لیے جنگ اور فقط جنگ کی راہ ہی عزت اور آزادی کی راہ ہے ایک فوجی ہونے کی حیثیت سے میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ عرب ممالک اگر متحد ہو جائیں تو چند دنوں میں اسرائیل کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ مسلسل جارحانہ حیران کن کارروائی اور برق رفتاری OFFENSLIVE ACTION, SURPRISE & SPEED.

ہی عرب فوج کی کامیابی کا راز ہے۔ یہ یقین ہے جونہی مغربی ممالک (امریکہ اور برطانیہ) کو عربوں کی پیش قدمی اور فتح کا یقین ہو گیا تو وہ عربوں کو روکنے کی دھمکیاں دیں گے۔ مگر عربوں کو اسرائیل کی عسکری قوت کو تباہ و برباد کر کے ہی دم لینا چاہیے۔ کاش یہ خواب جلد شرمندۂ تعبیر ہو۔ کاش کوئی عرب لیڈر صلاح الدین ایوبی جیسا ہر دلعزیز، جفاکش، ضبط اور گزر کرنے والا، پابندِ عہد اور بہادر مجاہد آج عربوں کی رہبری کرے۔ جنگِ اجنادین اسی علاقے میں لڑی گئی تھی اور تل ابیب خالد بن ولید کے اجنادین کے قریب ہے۔ جنگِ حطین دراصل بیت المقدس کی جنگ تھی اور تل ابیب صلاح الدین کے حطین کے بھی قریب ہے۔

جنگِ حطین کی اہمیت

جنگِ حطین دُنیا کی مشہور فیصلہ کن جنگوں میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس جنگ میں اسلام کے نامور فرزند اور مشہور فاتح سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں ارضِ فلسطین پر تقریباً ایک سو سال سے قابض متحدہ عیسائی حکمرانوں، کاؤنٹوں، نائٹوں اور مذہبی پیشواؤں کی ذلت آمیز شکستِ فاش دراصل تمام عیسائی دنیا کی شکست تھی۔ کیونکہ بیت المقدس اور دیگر مقامات کی حفاظت تمام دنیائے عیسائیت کا مذہبی فریضہ سمجھا جاتا تھا۔ فوجی نقطہ نظر سے متحدہ عیسائیوں کو ہر لحاظ سے صلاح الدین پر فوقیت حاصل تھی۔ تعداد میں وہ زیادہ تھے۔ سامانِ حرب و رسد کی ان کے پاس کمی نہ تھی۔ علاقہ سے انہیں پوری واقفیت تھی اور مختلف ممالک کی جانب سے کمک کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ شہروں کے علاوہ فوجی اہمیت کے راستوں اور پہاڑوں پر ہر وقت ضرورت کے مطابق فوج رہتی تھی۔ مذہبی پیشوا فوج کو جوش دلاتے اور انہیں صلیبِ اعظم کی حفاظت اور حرمت کی خاطر مر مٹنے کی تلقین کرتے تھے، مگر صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں کم تعداد اسلامی لشکر نے مناسب جنگی اصولوں اور تدبیرات TACTICS کے تحت عیسائیوں کو شکستِ فاش دے کر ان کا غرور خاک میں ملا دیا۔ مسلمان ہی نہیں بلکہ ہر غیر مسلم متعصب ترین مؤرخوں، صلاح الدین کے ہم عصر عیسائی حکمرانوں، نائٹوں، اور عیسائی مذہبی پیشواؤں نے اس کی بہادری، فیاضی، رحم دلی، نیکی، آہنی عزم، غیر معمولی استقلال اور جنگی قابلیت کا صاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ یہ فیصلہ کن جنگ ۳ اور ۴ جولائی ۱۱۸۷ء کو طبریہ سے چھ میل مغرب میں واقع گاؤں حطین کے گرد و نواح میں لڑی گئی۔

۹۷۰ء اور ۱۱۴۳ء کے درمیانی حالات

۹۶۹ء میں فلسطین پر فاطمی خلفا کا مصر پر قبضہ ہوا تو انہوں نے عیسائیوں کو مزید مراعات بخشیں۔ نتیجے کے طور پر چند ہی برسوں میں بے شمار عیسائی فلسطین میں آباد ہو گئے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں عیسائیوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے مقامی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ یورپ جا کر عیسائی زائرین اپنی ذاتی تکالیف کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے اور مسلمانوں کے ظلم و ستم کے من گھڑت قصے بیان کرتے۔ اس طرح تقریباً سو سال تک مسلمانوں کے خلاف یورپ میں نفرت و حقارت پھیلتی رہی۔ ایک زبردست محاذ قائم کیا گیا جس کے رہنما مذہبی پیشوا تھے۔ پھر اسلام کے خلاف مذہبی دیوانگی کا آغاز کروسیڈ کی شکل میں ۱۰۹۵ء میں شروع ہوا۔ مذہبی پیشواؤں نے عیسائیوں کے گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا تاکہ وہ مذہبی جنگ میں شریک ہوں۔ قربانی دینے والے کو شہادت اور جنت کے تحفہ کی گواہی دی حسین دوشیزاؤں کو جنسی قربانی کے عوض بھی جنت کے خوب صورت تحفہ کی یقین دہانی کی۔

گیارہویں صدی عیسوی کے آخر میں مسلمانوں کی باہمی نااتفاقی، عسکری کمزوری اور نامناسب قیادت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمام عیسائی دنیا یلغار کر کے بے شمار مشہور مقامات اور پھر ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء کو بیت المقدس فتح کر کے اپنی فتوحات کو مستحکم بنانے میں پوری تن دہی سے لگ گئی۔ شمال میں اسکندرون (موجودہ ترکی میں) کی بندرگاہ سے ساحلی علاقہ کے ساتھ ساتھ عسقلان سے ہو کر غزہ (موجودہ متحدہ عرب جمہوریہ میں اور فی الحال یہودیوں کے قبضہ میں) مشرق میں دریائے اردن سے تیس میل دُور (موجودہ اردن میں) اور جنوب میں ایلہ (عقبہ) تک کا علاقہ متحدہ عیسائی حکمرانوں اور نائٹوں کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ ہر شہر کے گرد بلند اور مضبوط فصیلوں کا حصار تھا۔ صحرا، راستوں اور پہاڑوں پر مناسب مقامات پر مضبوط قلعے تعمیر کیے گئے جہاں ہر وقت فوج چاق و چوبند رہتی تھی۔ مذہبی پیشوا مقبوضہ علاقہ ہی میں نہیں بلکہ ہر عیسائی ملک میں مذہبی جوش پھیلانے میں لگے رہتے تھے۔

ہر عیسائی صلیبی جنگ میں حصہ لینا مقدس فرض تصور کرتا تھا۔ جو جنگ میں حصہ لیتے یا ارضِ فلسطین پر آ کر بسنے کی اہلیت نہ رکھتے تھے، وہ اقتصادی امداد بھیجتے تھے۔ عورتیں اپنے زیورات صلیبِ اعظم کی حفاظت کے مقصد کی خاطر نذر کرتی تھیں۔ بیت المقدس اور گرد پھیلاؤ DEPTH میں مضبوط شہروں اور قلعوں کے حصار کو برباد کر کے ہی حملہ آور بیت المقدس پہنچ سکتا تھا، جو ناممکن تصور کیا جاتا تھا۔ ساحلی علاقہ پر ہمیشہ یورپ اور عیسائی ممالک سے کمک کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ متحدہ عیسائی بحری بیڑہ ساحلی علاقہ کی دیکھ بھال میں مصروف رہتا تھا۔ بیشتر مؤرخین کے مطابق ا، تمام مقامات میں کم از کم تین لاکھ فوج ہر وقت موجود رہتی تھی۔ عیسائی عرب علاقہ میں مزید پیش قدمی کے خواہاں تھے۔ چند حکمران نائیٹ اور پادری مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور دوسرے مقدس مقامات کو برباد کرنے کا ناپاک ارادہ بھی رکھتے تھے۔

صلیبی حکمرانوں اور نائٹوں کی کامیابی کا سب سے بڑا سبب مسلمانوں کی نااتفاقی تھی۔ خلافت برائے نام مسند بن چکی تھی۔ جگہ جگہ خود مختار حکمران پیدا ہو گئے تھے۔ اسلامی دنیا چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ اتحاد اور تنظیم کا فقدان تھا۔ قیادت کے لیے کوئی قابلِ ذکر شخصیت نہ تھی۔ بارہویں صدی عیسوی کے شروع اور نصف میں البتہ عماد الدین زنگی اور نور الدین زنگی ۱۱۴۸ء میں برسرِ اقتدار آیا اور ۱۱۷۴ء میں اس کی وفات کے وقت مشرقی علاقہ کے مشہور مقامات دمشق (۱۱۵۴) بعلبک (۱۱۵۵-۶۷ء) حمص (۱۱۶۹ء)، شہزار (۱۱۵۷ء) جابر (۱۱۶۸ء) رباہ (۱۱۶۹ء) حلب یا الیپو اور ادیسہ وغیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ ان شہروں کی تسخیر کی وجہ سے عیسائیوں کی مشرق کی جانب پیش قدمی کو روک دیا گیا تھا۔ جنوب میں ایلہ کا مشہور شہر اور قلعہ سلطان نور الدین زنگی کے زمانہ میں صلاح الدین نے ۱۱۷۰ء میں فتح کر کے عیسائیوں کو جنوب کی طرف بڑھنے سے کسی حد تک روک دیا تھا۔ مگر عیسائی بدستور ارضِ فلسطین کے مقدس اور دوسرے مقامات پر مسلط تھے انہیں برابر کمک پہنچ رہی تھی۔

صلاح الدین ایوبی کے پیشِ نظر حالات

ملک الناصر صلاح الدین ایوبی بن نجم الدین ایوب کرد قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے باپ کو عماد الدین زنگی والیٔ موصل نے بعلبک کا گورنر بنایا تھا اور وہیں صلاح الدین کا بچپن گزرا۔ پھر اپنے باپ اور چچا شیر کوہ کی معیت میں کئی مہمات میں حصہ لیا۔ جب اس کے باپ کو نور الدین محمود زنگی نے دمشق کا گورنر مقرر کیا تو صلاح الدین کو درباری بنایا گیا۔ مصر و شام کی مہمات (۱۱۶۴-۶۹ء) میں وہ برابر اپنے چچا کا شریک تھا۔ شیر کوہ کی موت کے بعد نور الدین زنگی کی مدد سے عیسائیوں، یونانیوں، بازنطینیوں اور لاطینی فرینکس کو کئی مقامات پر شکست دی۔ ۱۱۷۱ء میں وہ مصر کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔

۱۱۷۴ء میں نور الدین زنگی کی وفات کے بعد اس کی مملکت کا شیرازہ پھر بکھرنے لگا۔ بیشتر مقامی حکمران باغی ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اندرونی حالات دگرگوں ہو گئے۔ ایسے حالات کو قابو میں لانے کے لیے فوج ناکافی تھی۔ کوئی مرکزی تنظیم نہ تھی۔

والیٔ حلب نے صلاح الدین کو قتل کرانے کے لیے دو مرتبہ فدائیوں (یہ ..... فرقہ حسن بن صباح نے شروع کیا تھا۔ ان کا مقصد زیادہ سیاسی تھا اور مذہبی کم، ان کا تسلط پورے شام پر قائم تھا۔ ان کی خنجر زنی کے باعث تمام لوگ خوفزدہ رہتے تھے۔ وہ اپنے مخالف کو کسی فدائی کو خفیہ بھجوا کر خنجر سے مروا ڈالتے تھے) کی مدد حاصل کی مگر انہیں بروقت گرفتار کر لیا گیا۔

مسلمانوں کی نااتفاقی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عیسائی حکمرانوں اور نائٹوں نے پھر تیاریاں شروع کر دیں اور کھوئے ہوئے علاقہ کو ہڑپ کرنے کی خاطر سرحدی علاقوں پر مزید فوج تعینات کر دی۔ انہوں نے مسلمانوں کے اندرونی حالات میں بھی دخل اندازی شروع کر دی۔

صلاح الدین ایوبی کو بے شمار مسائل درپیش تھے۔ اس کا مقصدِ حیات بیت المقدس کو عیسائیوں سے واپس لینا تھا۔ عیسائی اس کے ارادے سے آگاہ تھے۔ ادھر باہمی نااتفاقی نے مسلمانوں کو تتر بتر کر دیا تھا۔ صلاح الدین کے پاس فوج ناکافی تھی، اس کا مصری مستقر بہت تھا۔

سب سے پہلے اس نے مسلمانوں کو متحد کرنے کی خاطر مختلف مقامات پر فوج کشی اور ۱۱۷۴ء سے ۱۱۸۵ء تک وہ دمشق، بعلبک، حمص، شہزار، حریم، حما، مرج، سماست،

ہاران اور حلب وغیرہ مطیع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

مسلمان باغیوں کی سرکوبی کے ساتھ ساتھ عیسائیوں کی مزید پیش قدمی کو روکنے کی خاطر وہ عیسائی مقبوضہ علاقہ میں مختلف مقامات پر اچانک جوابی یلغار کرتا، فوری کاری ضرب لگاتا، شہروں اور قلعوں کا محاصرہ کرتا اور دشمنوں کو دفاع اختیار کرنے پر مجبور کرتا۔ اس طرح وہ عیسائیوں سے کچھ علاقہ بھی آزاد کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا، مگر عیسائیوں پر اچانک حملہ کرنے کی اس نے کبھی پہل نہ کی تھی۔

چونکہ صلاح الدین کی بڑھتی ہوئی قوت سے عیسائی خائف تھے۔ اس لیے وہ مجبوراً ہر بڑی جھڑپ کے بعد معاہدہ کر لیا کرتے تھے، مگر ہر بار معاہدہ کی خلاف ورزی عیسائیوں ہی کی جانب سے ہوتی تھی۔ ہر غیر مسلم مؤرخ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔ ۱۱۷۷ء میں عیسائیوں نے شاہ فلپ کی قیادت میں معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے علاقہ میں لوٹ مار کی۔ حما اور حریم کا محاصرہ کر لیا۔ غزہ اور عسقلان کے جنوب میں علاقہ کو برباد کیا۔ مگر ۱۱۷۹ء میں سلطان صلاح الدین نے ان پر کاری ضربیں لگا کر انہیں بھگا دیا۔ ۸۳ - ۱۱۸۲ء میں ریجنالڈ وائی کراک نے مسلمانوں کے علاقہ میں داخل ہو کر حاجیوں کا قافلہ لوٹا اور انہیں قیدی بنا لیا۔ ایلہ کو برباد کیا۔ اس وقت صلاح الدین شمالی مہموں میں مصروف تھا۔ اس پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ کاؤنٹ ریجنالڈ نے مکہ اور مدینہ منورہ تک پہنچنے کا قصد کیا۔ عیسائیوں کا ذلیل ارادہ خانہ کعبہ اور مدینہ میں روضۂ پاک کو مسمار کرنا تھا۔ چند مؤرخین کے مطابق عیسائی مدینہ منورہ سے صرف تین منزل دور رہ گئے تھے مگر صلاح الدین کے بھائی میر عادل اور امیر البحر لولو کی بروقت مداخلت نے ریجنالڈ کے ناپاک ارادوں کو برباد کر دیا۔

جوابی کارروائی کی خاطر ۱۱۸۴ء میں صلاح الدین نے خاموشی سے کراک کا محاصرہ کر لیا۔ شہر اور قلعہ کے کچھ حصے کو برباد کیا۔ مگر ایک ماہ کے محاصرے کے بعد پانچ سال کا پھر لڑائی نہ کرنے کا معاہدہ ہو گیا۔ پھر ۸۶ - ۱۱۸۵ء میں جب کہ صلاح الدین موصل کی مہم میں مشغول تھا۔ بزدل اور کینہ پرور ریجنالڈ اور اس کے ساتھی حکمرانوں نے حاجیوں کا ایک بڑا قافلہ لوٹ لیا۔ بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا اور قیدی بنا لیا۔ سلطان صلاح الدین نے اس مرتبہ احتجاج نہ کیا بلکہ قسم کھائی کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو وہ کمینے ریجنالڈ کو اپنے ہاتھ سے جہنم واصل کرے گا۔

فیصلہ کن جنگ کی تیاری

۱۱۸۶ء میں سلطان نے عیسائیوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر ۸۶ - ۱۱۷۴ء کے دوران وہ عیسائیوں کی مزید پیش قدمی کو روکنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ عیسائی مقبوضہ علاقہ کے گرد مضبوط قلعوں سے گھیرا مکمل ہو چکا تھا۔ شمال کی جانب سے عیسائیوں کو امداد کی امید نہ تھی۔ تمام اسلامی برّی اور بحری فوجی مستقر BASE عیسائیوں کی مداخلت سے محفوظ تھے۔ فوجی نقل و حرکت کے لیے راستے بھی محفوظ تھے۔ فوجی نقل و حرکت کے لیے راستے بھی محفوظ تھے۔

صلاح الدین کے اقدام OPERATION نے عیسائیوں کو دفاع DETENCE اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب اقدام INITIATIVE صلاح الدین کے ہاتھ تھا۔ فوج کی ترتیب مکمل ہو چکی تھی۔ جون ۱۱۸۷ء میں اسلامی فوج کے دستے مختلف مقامات سے دریائے اردن سے پچاس میل مشرق میں ہاران کی اجتماع گاہ CONCENTRATION AREA میں اکٹھے ہونے شروع ہوئے۔ عیسائی بھی صلاح الدین کی تیاری سے آگاہ تھے۔ حالات کے پیش نظر عیسائی فوج عکہ کے مشہور مقام پر جمع ہونا شروع ہو گئی۔ سرحدی علاقوں کا دفاع مضبوط کر دیا گیا۔ کمک کی خاطر ہر طرف ہرکارے روانہ کیے گئے۔

طرفین کی تعداد

بیشتر مؤرخین کے مطابق سلطان صلاح الدین کی فوج تقریباً بیس ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔ سامان حرب فوج کے لیے کافی تھا۔ تقریباً پانچ سو اونٹوں پر فالتو RESERVE تیر لدے ہوئے تھے۔ عیسائی فوج کی تعداد دو ہزار دو سو سوار KNIGHTS آٹھ ہزار سواروں اور بتیس ہزار پیادہ سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ چند ہزار پر مشتمل آرمینیہ کا دستہ بھی شامل تھا۔ عیسائی فوج نفری، زرہ بکتر اور سامان حرب و رسد میں اسلامی فوج سے بہتر تھی۔ عیسائی فوج کی قیادت شاہ گائی GUY ریمونڈ ریناڈ (گلیلی تریپولی اور طبریہ کا حاکم)، گرینڈ ماسٹر گیرڈ، عکرہ کا پادری (محافظ صلیب اعظم)، ہمفری آف تورانتے کاؤنٹ ماؤنٹ فیرت وائی جبل اور بوٹران، امارک (گائی کا بھائی) اور کاؤنٹ ریجنالڈ وائی کراک کر رہے تھے۔ اسلامی

فوج کی قیادت سلطان صلاح الدین ایوبی کے سپرد تھی۔ اس کے زیر کمان کوکبری، تقی الدین اور افضل الدین، فرخ شاہ، ملک العادل وغیرہ فوج کے مختلف دستوں کے سردار تھے۔

صلاح الدین کی تجویز

صلاح الدین کی تجویز کا مقصد عیسائی فوج کو اپنی پسندیدہ زمین GROUND OF OWN CHOICE پر جمع کر کے فیصلہ کن جنگ کے لیے مجبور کرنا تھا۔ ۲۶ جون ۱۱۸۷ء کو حاران سے اسلامی فوج منزلِ مقصود کی جانب روانہ ہوئی۔ اس جنگ کی خاطر صلاح الدین نے دریائے اردن کے مغربی علاقہ کو منتخب کیا تھا۔ جھیل گلیلی کے مغربی کنارے کے نزدیک طبریہ کے مشہور اور مضبوط شہر پر والیٔ تریپولی کاؤنٹ ریناڈ کی بیوی حکمران تھی۔ وہاں کافی فوج مقیم تھی۔ اس کے علاوہ کوکب، کفر سبط، لوبیہ اور حطین کے علاقہ میں صفوریا اور ناصرات کی دیکھ بھال پوسٹ OUT POSTS میں چھوٹے چھوٹے مقیم دستے آسانی سے مغلوب کئے جا سکتے تھے۔ طبریہ کا محاصرہ کر کے مقامی فوج کو باقی عیسائی فوج MAIN BODY کی مدد کرنے سے روکا جا سکتا تھا۔ طبریہ اور صفوریہ کا درمیانی علاقہ خشک، ویران بے آب اور ٹوٹا پھوٹا UNDULATING تھا۔ ایسے علاقہ میں ہلکے اسلامی مجاہد سوار نہایت تیزی سے نقل و حرکت کر سکتے تھے جب کہ بھاری زرہ بکتر میں ملبوس عیسائی سوار اور پیادہ سپاہی آسانی اور تیزی سے نقل و حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ کفر سبط، طبور، لوبیہ اور حطین کے علاقہ پر قبضہ کر کے عیسائی فوج کو علاقہ کے پانی سے محروم کیا جا سکتا تھا۔ مسلم سوار تیزی سے لمبا چکر لگا کر بازوؤں FLANKS کی جانب سے عیسائی فوج پر حیران کن کارروائی سے کاری ضربیں لگا سکتے تھے۔ اس علاقہ میں چند روز عیسائی فوج کو الجھا کر گرمی کے موسم میں پیاس کی شدت سے بے حال کیا جا سکتا تھا۔

ان وجوہ کی بنا پر صلاح الدین نے دریائے اردن کو جھیل گلیلی کے جنوب میں سینابرا کے مقام پر پار کرنے کا فیصلہ کیا۔ فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ طبریہ کا محاصرہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ دوسرا حصہ کفر سبط، طبور اور لوبیہ کے علاقہ پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا تاکہ فوج کا بایاں بازو FLANK محفوظ رہے۔ اسی حصے کا ایک دستہ صفوریہ کے قرب و جوار میں دشمن کی نقل و حرکت پر نگرانی رکھنے اور اطلاع دینے کے لیے بھیجا۔ فوج کا تیسرا حصہ حطین پر قبضہ اور شمال مغربی علاقہ کی دیکھ بھال کے لیے نامزد کیا۔ فوج کا آخری بڑا حصہ MAIN BODY اپنے زیر قیادت ریزرو RESERVE میں فیصلہ کن جنگ کے مرحلہ کے لیے عقب میں فوری دفاعی پوزیشن اختیار کرنے کے لیے رکھا۔ پہلی جولائی کو تمام اسلامی فوج نے دریائے اردن کو بغیر مزاحمت کے پار کر لیا۔ اسی دن طبریہ کا محاصرہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا گیا۔ ۲ جولائی کو کفر سبط، طبور اور لوبیہ کے علاقہ پر کچھ مزاحمت کے بعد قبضہ ہو گیا۔

عیسائی تجویز

صلاح الدین کی فوجی تیاری کے بارے میں عیسائیوں کو اطلاع مل رہی تھی مگر صحیح اندازہ نہ تھا کہ صلاح الدین کس جانب سے اور کس مقام پر حملہ کرے گا۔ عکرہ میں تمام فوج کو جمع کرنا شروع کر دیا گیا۔ ہر طرف سے کمک آنا شروع ہو گئی، اور جون ۱۱۸۷ء کے آخر میں تمام فوج کا اجتماع CONCENTRATION مکمل ہو گیا اور پھر عیسائی بے تابی سے صلاح الدین کے آئندہ اقدام کا انتظار کرنے لگے، جونہی خبر موصول ہوئی کہ صلاح الدین نے دریائے اردن پار کر لیا ہے۔ متعدد عیسائی حکمرانوں اور نائٹوں نے آگے بڑھ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۲ جولائی کو عیسائی فوج صفوریہ کے مقام پر خیمہ زن ہو گئی۔ طبریہ کے قلعہ کے محاصرہ اور شہر کی فتح کی خبر نے عیسائیوں کو بے چین کر دیا کیونکہ صلاح الدین کی فوج کا بڑا حصہ MAIN BODY ابھی تک کفر سبط کے عقب میں خیمہ زن تھا۔ اس لیے عیسائیوں نے صفوریا سے شمال کی جانب حطین کے راستے قلعہ طبریہ میں محصور عیسائی فوج سے ملنے کی کوشش کی۔ ۳ جولائی ۱۱۸۷ء کو صبح کے وقت صفوریہ سے عیسائی فوج حطین کی طرف بڑھنے لگی۔ شمالی راستہ اختیار کرنے سے عیسائی صلاح الدین کے دائیں بازو اور عقب کی جانب سے اپنے ارادہ کے مطابق خاطر خواہ کارروائی کر سکتے تھے۔ اس طرح جھیل طبریہ کا پانی بھی ان کے قبضہ میں آ سکتا تھا۔ طبریہ کے شمال سے پیش قدمی کر کے عیسائی اکثریت کے سبب اسلامی فوج کو تقسیم کر کے دھکیل سکتے تھے۔

جنگ

۴ جولائی جمعہ کا دن تھا۔ اس دن گرمی بھی معمول سے زیادہ تھی۔ علاقہ ٹوٹا پھوٹا اور بے آب تھا۔ سوائے سوکھی

گھاس کے کوئی درخت نہ تھا۔ عیسائی فوج نے انسان اور حیوان جلد ہی پیاس سے تڑپنے لگے۔ صلاح الدین نے خبر ملتے ہی ۳ جولائی کو صبح کے وقت حطین کی جگاہ ASSEMBLY AREA میں فوج کا بڑا حصہ دفاعی پوزیشن میں لگا دیا۔ یہاں پانی اور سایہ کافی تھا۔ اسلامی فوج کے آگے والے چھوٹے دستے SCREEN PARTY بڑھتے ہوئے دشمن پر بازوؤں سے تیر اندازی کرتے کبھی دشمن کے آخری حصے REARGUARD پر اچانک یلغار کر کے تتر بتر کر دیتے اور کبھی دشمن کے ہراول VANGUARD دستے کے سامنے رکاوٹ بن جاتے۔ دشمن اگر جوابی کارروائی COUNTER ACTION کرتا تو آگے والے چھوٹے دستے تیزی سے نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔ بڑی مشکل سے سارے دن میں دشمن نے صرف دس میل سفر طے کیا تھا۔ دن کی جھڑپوں اور پیاس کی شدت کی وجہ سے دشمن نے کافی نقصان اٹھایا۔ رات کو تھکی ماندی اور ہراساں فوج نے بغیر کسی خاص ترتیب کے وہیں دفاعی پوزیشن اختیار کر لی مگر صلاح الدین نے رات کے اندھیرے میں تمام فوج کو گھیرے میں لے لیا۔ دشمن کے مصائب میں اضافہ کرنے کے لیے مسلمانوں نے سوکھی گھاس کو آگ لگا دی۔ عیسائی فوج کی جانب ہر طرف سے آگے بڑھنے لگی۔ دھوئیں اور آگ نے بھی دشمن کو نقصان پہنچایا۔ مؤرخین کے مطابق تمام رات مسلمان جگہ جگہ شبخون مارتے رہے اور دشمن کو آرام کی مہلت نہ دی۔ ۴ جولائی ۱۱۸۷ء صبح کے وقت اسلامی لشکر کے درمیانی حصہ نے حملہ کی ابتدا کر دی۔ عیسائی پیادہ پھیل نہ سکے۔ محاذ بہت تنگ تھا۔ اگر وہ کسی بازو سے بڑھنا چاہتے تو اسلامی بازو والے سوار دستے انہیں دھکیل دیتے۔ تیر انداز زبردست بوچھاڑ سے عیسائیوں کو ہر جانب سے نقصان پہنچا رہے تھے۔ ہوا میں اڑتے ہوئے تیر ٹڈی دل کی طرح نظر آ رہے تھے۔ عیسائی سوار دستوں نے گھیرا توڑنے کی بہت کوشش کی مگر بے سود۔ پیاس سے عیسائیوں کا بہت برا حال تھا۔ سامنے جھیل گلیلی کا چمکتا ہوا پانی صرف چند میل دور نظر آ رہا تھا مگر کسی جانب سے بھی وہ پانی کے نزدیک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوئے، کیونکہ اسلامی دستے لوہے کی دیوار بنے ہوئے تھے۔

عیسائیوں نے کاؤنٹ رینالڈ کی سرکردگی میں ایک آخری جوابی حملہ ایک بازو پر کیا۔ دشمن کی یہ آخری کوشش تھی۔ اس جوابی حملہ میں سوار اور پیادہ شامل تھے۔ اسلامی فوج کے اس حصے کی کمان تقی الدین کر رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے اپنی اگلی صفوں کو کھول دیا اور نصف چاند HALF MOON کی ترتیب FORMATION اختیار کر لی۔ جب دشمن کا حملہ کرنے والا دستہ گھیرے میں آ گیا تو مسلمان سواروں نے تجویز کے مطابق ہر طرف سے یلغار شروع کر دی۔ لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ اب جوابی حملہ کے دستے کے عیسائی بھاگنا چاہتے تھے مگر انہیں کوئی راستہ نہ ملتا تھا۔ تقی الدین نے ان کا داخل ہونے والا راستہ بھی سواروں کے دستہ سے بند کر دیا تھا۔

عیسائی فوج میں بھگدڑ مچ چکی تھی۔ بے شمار زخمی کراہ رہے تھے۔ دشمن کی لاشوں کے ڈھیر لڑائی کے میدان میں جگہ جگہ لگے ہوئے تھے۔ ہزاروں نے ہتھیار پھینک کر قیدی بننا منظور کر لیا تھا۔ شاہ گائی اور اس کے ساتھی نائیٹ بھاگنا چاہتے تھے۔ مگر صلاح الدین کے سواروں نے بھاگنے کے تمام راستے بند کر دیے تھے۔ عکہ کا بڑا پادری جو صلیب اعظم کا محافظ تھا مارا گیا تھا۔ صلیب مسلمانوں کے ہاتھ آ چکی تھی۔ شاہ گائی۔ اس کا بھائی، ریجنالڈ، رینالڈ، ہمفری آف تورون، مونٹ فیرٹ اور بے شمار دوسرے کاؤنٹ اور نائٹ قیدی بنا لیے گئے تھے۔ تمام معزز قیدی صلاح الدین کے روبرو حاضر کیے گئے۔ صلاح الدین نے شاہ گائی کو ٹھنڈا شربت پیش کیا۔ اس نے چند گھونٹ پی کر ریجنالڈ والئی کراک کی طرف گلاس بڑھا دیا۔ صلاح الدین نے شاہ گائی کی اس حرکت کا مطلب سمجھ لیا تھا۔ اس نے فوراً کہا کہ سلطان نے شاہ گائی کو شربت پیش کیا تھا مگر ریجنالڈ کو شاہ گائی نے شربت دے کر سلطان کی روایتی مہمان نوازی اور فیاضی میں داخل نہیں کیا۔ چونکہ سلطان نے قسم کھائی تھی اس لیے اس نے سب کے روبرو اپنے ہاتھ سے ریجنالڈ کو تلوار کے ایک ہی وار سے جہنم واصل کیا۔

نتیجہ

۱۔ ۹۰ سال کے بعد ارضِ فلسطین پر جابرانہ و قاہرانہ قبضہ کے بعد عیسائی دنیا کو حطین کے مقام پر پہلی بار ذلت آمیز شکست کھانا پڑی۔ صلیب اعظم مسلمانوں کے ہاتھ آ چکی تھی۔

۲۔ متحدہ عیسائی فوج کا تقریباً تین چوتھائی حصہ تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ ان کے بے شمار بہادر نائٹ، کاؤنٹ اور سوار مارے گئے تھے۔ مقبوضہ شہروں میں موجود فوج

کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔

۳۔ فوری طور پر مسلمانوں کی مزید پیش قدمی روکنے کے لیے عیسائیوں کی قیادت کے لیے کوئی مناسب شخصیت موجود نہ تھی۔

۴۔ اس شاندار فتح سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے تھے۔ کئی ہمعصر مسلمان حکمرانوں نے سلطان صلاح الدین کو عیسائی دنیا کے خلاف جنگ جاری رکھنے کے لیے امداد کی پیش کش کی۔

۵۔ تین ماہ کی مختلف مقامات پر مزاحمت کے بعد سلطان صلاح الدین نے ۲ اکتوبر ۱۱۸۷ء جمعہ کے دن بیت المقدس فتح کر لیا۔ اس فتح پر نہ کسی کا خون بہایا گیا، نہ کسی کا مال لوٹا گیا اور نہ کسی عورت کی بے حرمتی کی گئی۔ اس کے برعکس صلیبیوں نے ۹۰ سال قبل مسلمانوں پر جو شرمناک مظالم ڈھائے تھے، وہ انسانیت کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ ہیں اور عیسائی تاریخ کے بدترین صفحات ہیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اس نے ۱۱۷۴ء سے عیسائیوں کے خلاف جدوجہد شروع کی تھی۔

۶۔ عیسائیوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان صلاح الدین نے پے در پے حملے جاری رکھے اور ۱۱۸۹ء تک تقریباً تینتیس بڑے شہروں (جن میں کراک، رملہ، عسقلان، کیرک، غزہ، بیت المقدس، نذرات، طبریہ، عکہ، حائفہ، قیساریہ، جافہ، بیروت، انطاکیہ اسکندرون وغیرہ شامل تھے۔) اور بے شمار قلعوں کو فتح کر لیا۔ عیسائیوں کے پاس فقط ساحلی علاقہ میں ٹائر (ٹیر) ٹریپولی اور چند غیر معروف شہر رہ گئے۔

۷۔ بیشتر مؤرخین کے مطابق ۱۱۸۵ء سے لے کر ۱۱۸۹ء کی جنگوں میں سمندر پار سے آئی ہوئی چھ لاکھ عیسائی سپاہ میں سے صرف دس فیصد زندہ بچ سکی تھی۔

۸۔ حطین کی شکست اور بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضہ نے تمام عیسائی دنیا کو ایک بار پھر جگا دیا تھا۔ انہوں نے بے شمار سپاہ کے ساتھ عیسائی بادشاہوں اور حکمرانوں کے زیر قیادت صلاح الدین سے مسلسل پانچ سال تک جنگ جاری رکھی مگر مسلمانوں کا پلہ ہمیشہ بھاری رہا اور مسلمان ان تمام علاقوں پر قابض رہے۔

تیسری صلیبی جنگ کی پوری قوت بھی صلاح الدین کی عسکری قوت کو متزلزل نہ کر سکی۔ آخر ۵۵ سال کی عمر میں ۴ مارچ ۱۱۹۳ء (۲۷ صفر ۵۸۹ھ) کو یہ مجاہد اعظم انتقال کر گیا۔ وہ مسجد اموی دمشق میں دفن کیا گیا۔ وفات کے بعد سلطان کے پاس صرف ایک دینار اور ۴۷ درہم نکلے تھے۔ اس نے کوئی ذاتی جائداد نہ چھوڑی تھی۔ تعمیر بیت المقدس کے دوران سلطان نے خود اپنے کاندھے پر پتھر رکھ کر ایک معمولی مزدور کی طرح کام کیا تھا۔

کامیابی کے اسباب

اس فیصلہ کن جنگ کے مشہور اسباب دشمن کو اپنی پسندیدہ زمین پر لڑائی کے لیے مجبور کرنا، مسلسل جارحانہ کارروائی OFFENSIVE ACION برق رفتار FAST MOVEMENT نقل و حرکت ہر مرحلہ PHASE پر دشمن اور علاقہ کا صحیح جائزہ APPRECIATION علاقہ کے پانی پر تسلط، لچکدار تجویز FLEXIBILITY بلند حوصلہ HIGH MORALE اور بہترین قیادت LEADERSHIP تھے۔ بیشتر مؤرخین کے مطابق صلاح الدین نے اپنی پشت پر جھیل گلیلی کی رکاوٹ OBSTACLE رکھ کر اور بھاگنے کی خاطر راستوں کی غیر تسلی بخش حفاظت کے انتظام کو ایک بڑی غلطی تصوّر کیا ہے مگر صلاح الدین ایوبی نے حالات کا مکمل جائزہ لے کر پیش قدمی کر کے اس علاقہ کو انتخاب کیا تھا۔ وہ فیصلہ کن جنگ لڑنے آیا تھا۔ پہلے کی طرح اچانک حملوں پر اکتفا نہ کرنا چاہتا تھا۔ تمام متعلقہ امور کے بعد اس کے جائزہ میں جھیل گلیلی کو پشت کی جانب رکھنے کا خطرہ اہم نہ تھا:

اس مضمون کے لیے جن کتابوں کا سہارا لیا گیا ہے۔ اُن کے مصنفین کے نام یہ ہیں:۔
ہیرلڈ لیمب، لین پول، سٹمسن اور بالڈوِن، رُنکی مین، جنرل محمد اکبر خان و خورشید عالم محمود بریلوی، فلر، رشید اختر ندوی، بہاء الدین، ابن اثیر اور ابن کثیر (پر مشتمل) موئر، ہٹی اور امیر علی وغیرہ۔

بقیہ : عید

۱۔ جب ماہ رمضان ختم ہوا اور ایک خدا پرست، ایثار و اخلاص، خدمت خلق اور ہمدردی نوع کا ایک کورس پورا کر چکے ہیں۔ اس کا نام عید الفطر ہے یعنی مسرت کا وہ دن جس کا محرک اور منبع یہ ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ گذارنے کے بعد آج روزہ کشائی ہوئی ہے۔

۲۔ جب والہانہ جذبات کے ساتھ اس "بیت عتیق" میں حاضری ہو جس کے بانی (حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے پہلے اس "وادی غیر ذی زرع" میں اپنی مالوفات (رفیقۂ حیات حضرت ہاجرہ اور شیر خوار لختِ جگر حضرت اسمٰعیلؑ) کو چھوڑ کر اس کے بعد انسانی تمناؤں کے آخری سہارے کو قربان کر کے عاشقانِ پاک طینت کے لیے مقدس مثال قائم کی تھی۔

یہ دو عیدیں ہیں جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے ان کے سلسلہ میں لکھنے اور کہنے کی باتیں تو بہت کچھ

ترکیب نماز عیدالفطر

عیدالفطر کی نماز واجب ہے اور اس کی ترکیب یہ ہے کہ
تکبیر اولیٰ و ثنا کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے تین بار رفع یدین کریں یعنی ہاتھ کانوں تک اٹھائیں۔ پہلی دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیے جائیں گے۔ تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر امام فاتحہ و سورۃ پڑھے، مقتدی خاموش رہیں۔ دوسری رکعت میں فاتحہ و سورۃ کے بعد رفع یدین کے ساتھ تین بار تکبیر کہیں اور ہر بار ہاتھ اٹھا کر چھوڑتے جائیں چوتھی تکبیر پر رکوع کریں۔ غرض یہ چھ زائد تکبیریں اس طرح کہی جائیں گی کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ سے پہلے اور بعد والی رکعت میں قرارت کے بعد، اس کی ترکیب یاد رکھنے کیلئے اتنا جملہ کافی ہے کہ
"پہلی میں پہلے بعد والی میں بعد میں"۔

نماز عیدین کا وقت آفتاب کے بلند ہونے کے بعد
سے زوال سے پہلے تک ہے۔ نماز کے بعد
امام کا خطبہ سننا ضروری ہے۔



ادارہ "خدام الدین" قارئین کی خدمت میں

عید مبارک

پیش کرتا ہے

انجمن خدام الدین لاہور کی طرف سے شائع شدہ

قرآن عزیز

بہ تحشیہ جدیدہ

دیدہ زیب — رنگین

از: شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

چند مقتدر علماء کرام کی آراء

○ جناب مستطاب مولانا احمد علی صاحب لاہوری دام ظلہ کی خدمت طبع میں آئی یہ عاجز نے متفرق دیکھی، یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ماضی و مستقبل میں اس کی نظیر ناممکن ہے مگر یہ کہنا بے جا نہیں کہ حق تعالیٰ نے ایک بہت بڑی خدمت جناب ممدوح سے لی اور اب انشاء اللہ العزیز عوام و خواص دونوں طبقے اس تفسیر سے اپنی تشفی کر سکیں گے۔

(حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رح)

○ میں نے مولانا موصوف کی یہ تحریر دربارہ ربط آیات قرآنیہ و ایضاح معانی فرقانیہ مختلف مقامات سے دیکھی بحمد اللہ نہایت مفید اور کارآمد تحریر پائی۔ دلچسپ اور صحیح و ضروری مضامین کا خلاصہ اس طرح اس میں بھر دیا گیا ہے کہ عوام اور خواص دونوں کو بہت زیادہ آسانی کے ساتھ دُر گرانمایہ ہاتھ آ سکیں گے۔

(حضرۃ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رح)

○ اس تفسیر کو اول سے آخر تک نہایت غور سے دیکھا ہے اور دیکھنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے
• اول سے آخر تک کوئی بات ایسی نہیں پائی جو اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہو • ربط آیات اس خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جس کی نظیر زمانہ ماضیہ میں معدوم الوجود ہے • مطالب و مضامین قرآن حکیم کی تشریح میں خیر الکلام ما قل و دل کے مطابق اختصار بھی ہے اور باوجود اختصار کے پیرایۂ بیان نہایت سہل و سلیس ہے۔

(حضرۃ مولانا سلطان محمود صاحب مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی)

ہدیہ

۴۵ روپے

ملنے کا پتہ: شعبہ تالیف واشاعت انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور